ماہنامہ محدث بنارس

www.mohaddis.org

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معاون مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۷۲
جلد: ۳۲ ، شمارہ: ۱۲

صفر ۱۴۳۶ھ = دسمبر ۲۰۱۴ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code: ALLAINBBVAR

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۴
۴-بلد حرام کے فضائل اور.....	محمد اسلم مبارک پوری	۹
۵-مولانا عبدالجلیل رحمانی.....	مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی	۱۶
۶-صالح معاشرہ کی تعمیر میں.....	مولانا محمد ایوب سلفی	۲۰
۷-آداب ضیافت	ابوسفیان	۲۶
۸-نماز باجماعت کے فوائد	محبوب عالم سمیع اللہ مدنی	۳۰
۹-وقت کی اہمیت	عبدالغفار سلفی	۳۵
۱۰-تقوی کی اہمیت وفضیلت	ابوالبیان رفعت سلفی	۳۹
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۳-باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۶

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

یوم آخرت یعنی قیامت اور قرآن مجید

گردش ایام عبرت کے لیے کافی ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ، قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، يُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَن يَشَاءُ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ، وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ، وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ أُولَئِكَ يَئِسُوا مِن رَّحْمَتِي وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (سورہ عنکبوت:۱۹-۲۳)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پیدائش کی شروعات کیسے کی، پھر اس کو لوٹاتا ہے۔ بیشک یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ آپ ان سے کہئے زمین میں سیر کرو پھر دیکھو کہ اللہ نے کیسے کیسے (چیزوں کو) پیدا کیا ہے پھر اللہ دوسری بار بناتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے، جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے۔ اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ تم زمین پر یا آسمان میں (کہیں بھی) اس سے بھاگ نہیں سکتے اور نہ ہی اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی ولی اور مددگار ہوگا۔ اور جو لوگ اللہ کی نشانیوں اور اس سے ملاقات کا انکار کرتے ہیں وہ لوگ میری رحمت سے ناامید ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔

زمین وآسمان میں جو چیزیں ہیں سب اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ انسان اللہ کی گرفت سے کیسے بچ سکتا ہے، ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے جسے چاہتا ہے عذاب وتکلیف میں مبتلا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنے رحم وکرم سے نوازتا ہے۔ ہماری زندگی اور جسم پر اس کو پورا اختیار ہے وہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کرکے ہمارے دنیاوی زندگی کے اعمال کے مطابق جنت یا جہنم میں جگہ دے گا۔

اللہ کی قدرت کی نشانیاں صرف ایک جگہ نہیں ہے۔ زمین پر گھوم کر دیکھو، سیر کرو۔ ہر جگہ اس کی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں۔ زمین میں اللہ کیا کیا چیزیں ہمارے لیے پیدا کی ہیں۔ ہم کھیت جوتتے ہیں، غلہ نکلتا ہے، پھر زمین جوتتے ہیں، پھر غلہ نکلتا ہے، زمین سے خزانہ نکالتے ہیں، پھر نکالتے ہیں، پانی نکالتے ہیں، نکالتے جاتے ہیں آتا جاتا ہے۔ یہ بار بار کون اگاتا ہے۔ ہم روزانہ رات سونے کے بعد تر وتازہ اٹھتے ہیں۔ کیا جو اللہ بار بار ایک مردہ زمین سے ہمارے لیے غلہ اگا سکتا ہے، وہ ذات اگر یہ بیان کرے کہ اس دنیا کے بعد جب سب چیزیں قیامت میں ختم ہوجائیں گی، ہم دوبارہ پھر اٹھا کر، دوبارہ تم کو بنا کر تمہارے اعمال کی جزا وسزا دیں گے۔ کیا یہ قابل یقین نہیں ہے۔ اللہ کی بیان کردہ نشانیاں اس پر یقین کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ہم ہیں کہ اس آخرت یعنی بقائے دوام سے غافل پڑے ہیں۔

اللہ ہمارے دلوں کو کھول دے کہ ہم اس کے لیے ابھی سے تیاری میں لگ جائیں۔ اللہ ہم کو توفیق بخشے، آمین۔ ☆

درس حدیث

حب الوطنی اوراس کے تقاضے

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَأَبْصَرَ دَرَجَاتَ الْمَدِيْنَةِ أَوْضَعَ نَاقَتَهُ وَإِنْ كَانَتْ دَابَّةً حَرَّكَهَا. (صحیح البخاري ح:۱۸۰۲، باب من أسرع ناقته إذا بلغ المدينة)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب کسی سفر سے لوٹتے پس مدینہ کے بالائی راستوں کو دیکھتے تو اپنی اونٹنی کی رفتار تیز کر دیتے اور اگر سواری کوئی اور ہوتی تو اسے حرکت دیتے۔

ہر شخص اپنے وطن سے محبت رکھتا ہے اور اسے رکھنی بھی چاہیے، دین کی یہی تعلیم ہے اور عقل وفطرت کا یہی تقاضا ہے، اس لیے کہ اسی کی گود میں وہ پروان چڑھا، اس کی خیرات وبرکات، اس کی نشو ونما کا ذریعہ بنی، وطن نے اسے تعلیم وترقی کے مواقع فراہم کئے اور اس کے لیے عمل کے میدان کو کھولا۔

اللہ کے رسول ﷺ بھی اپنے وطن سے محبت رکھتے تھے، آپ نے متعدد مواقع پر اس کا اظہار بھی فرمایا۔ مذکورہ بالا حدیث میں اسی محبت کا تذکرہ ہے، سفر سے واپسی کے موقع پر جب شہر مدینہ دور سے نظر آنے لگتا تو آپ کا اشتیاق بڑھ جاتا، آپ سواری کو تیز کر دیتے تاکہ جلد از جلد آپ وطن مالوف میں پہنچ جائیں، مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے آنے والے صحابہ کرام بھی مکہ کے شب وروز کا تذکرہ اپنے اشعار میں کرتے، اس کی پہاڑیوں اور وادیوں کو یاد کر کے اپنی حب الوطنی کا مظاہرہ کرتے۔

ہم اس عظیم الشان جمہوری ملک کے باشندہ ہیں، اس ملک میں ہمیں مذہبی آزادی حاصل ہے، ہمیں تعلیم کے یکساں مواقع حاصل ہیں، صنعت وحرفت کا ہر دروازہ ہمارے لیے کھلا ہے، سرکاری ونیم سرکاری اداروں میں ملازمت کا ہم حق رکھتے ہیں، بجلی پانی کی تقسیم، زرعی وسائل کا استعمال، کارخانے اور فیکٹریوں کو قائم کرنے کا ہمیں اختیار حاصل ہے، ملک کی خدمت کے لیے سیاست کے میدان میں طبع آزمائی کرنا بھی ہر شہری کا حق ہے۔

حب الوطنی کوئی سیاسی نعرہ نہیں ہے، بلکہ ملک ووطن کے تئیں ہماری جو ذمہ داریاں ہیں اس کا عنوان ہے۔ ملک کا سب سے قیمتی سرمایہ پانی ہے، اس کی حفاظت اور اسے ضائع ہونے سے بچانا ہر شہری کی اولین ذمہ داری ہے، صفائی ستھرائی کا اہتمام اور اس کے لیے سرکاری ونیم سرکاری اداروں کا تعاون بھی اسی ذمہ داری کا حصہ ہے، اس لیے کہ صفائی کے بغیر ہم، ہمارا محلّہ، ہمارا شہر، صوبہ اور ملک صحت مند نہیں رہ سکتا۔

تعلیم کے مواقع سے فائدہ اٹھا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا پھر تعلیم کو صرف معاش کا ذریعہ نہیں بلکہ اس کے ذریعہ ملک کی

خدمت کرنا بھی ہمارے فرائض میں سے ہے۔

ہر محاذ پر ملک کو نقصان سے بچانا، ملک میں امن وامان قائم کرنا، ملک کے آئین ودستور کی پابندی کرنا، برادران وطن کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھنا، ملک کے لیے قربانی دینے والوں کو یاد رکھنا اور قومی تقاریب میں شرکت کرنا بھی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔

شر پسند عناصر اور بھٹکے ہوئے لوگوں کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہ رکھنا، ان کی پشت پناہی نہ کرنا اور نہ ہی انہیں پنپنے کا موقع دینا بلکہ انہیں قانون کے حوالہ کردینا بھی ملک سے سچی محبت کا تقاضا ہے۔

مذہبی آزادی کے نام پر دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی دل آزاری یا ان کے بنیادی حقوق کی پامالی، ''گھر واپسی'' کے نام پر تبدیلی مذہب پر مجبور کرنا، خوف وہراس یا سرکاری سہولتوں کی لالچ دینا آئین ودستور کی خلاف ورزی ہے۔

مذہبی تقاریب کے نام پر عام زندگی کو متاثر کرنا، آرام وآسائش میں رخنہ ڈالنا اچھے شہری کی علامت نہیں اور نہ ہی کسی مذہب کی یہ تعلیم ہے۔

افرادی قوت کے زعم میں عام شہریوں کے بنیادی حقوق کو پامال کرنا، ایک مخصوص مذہب والوں کے لیے سرکاری سہولتوں کے دروازے کھولنا اور دوسروں کو اس سے محروم رکھنا بھی حب الوطنی کے خلاف ہے۔ وطن کے محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام باشندوں کو ایک نظر سے دیکھا جائے، یکساں طور پر بنیادی سہولتیں انہیں فراہم کی جائیں، جان ومال کا تحفظ اور ترقی ومعاش کے مواقع انہیں دیئے جائیں۔

حب الوطنی کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہر وہ عمل جو ملک، اس کی سلامتی، تعمیر وترقی، اخوت وبھائی چارگی کو نقصان پہنچانے والا ہو، اس سے چشم پوشی نہ کی جائے بلکہ فوری طور پر قدغن لگے، اور حفاظتی ادارے پوری ایمانداری کے ساتھ ملک کے مفاد کو پیش نظر رکھ کر اپنی ذمہ داری پوری کریں۔

ملک کی قیادت وسیادت میں موثر حصہ داری کے لیے جمہوری طریقوں کو اختیار کرنا، قومی وعلاقائی پارٹیوں میں کم ازکم آبادی کے تناسب سے نمائندگی، موقع پرستی اور شخصی مفاد کے بجائے اصول پسندی، ملک وملت کے مفاد کو ترجیح دینا بھی وطن سے محبت کا ایک حصہ ہے، تاکہ اس کے ذریعہ سے ایک طرف تو عوام کی آواز ایوان حکومت تک پہنچے تو دوسری طرف ملک کی خدمت کا فریضہ ادا ہو۔

۲۶ر جنوری کے موقع پر جب پورا ملک یوم جمہوریہ منا رہا ہے ہم ملک کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور ایمانداری کے ساتھ ان کو ادا کرنے کی کوشش کریں، حب الوطنی کا جذبہ صرف نوک زبان اور نہاں خانہ دل میں نہ ہو، بلکہ وہ کردار وعمل کی زینت بن جائے۔ ملک سے سچی محبت اور وفاداری کا تقاضا یہی ہے۔ ☆☆

افتتاحیہ

دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ

بابرنامہ اور بابری مسجد:

ظہیر الدین محمد بابر کی شاہکار خودنوشت سوانح عمری کو دنیا میں جو شہرت نصیب ہوئی ہے وہ بہت کم آپ بیتیوں کو مل سکی۔ دنیا کی تیس سے زائد زبانوں میں اس کے ترجمے کیے گئے۔ نئے تراجم میں اسپینش (Spainish)، آذربائجانی اور عربی زبانوں کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ بابر نے اس کتاب کو ہندوستان میں اپنی فتوحات کے درمیان اپنی مادری زبان چغتائی ترکی میں لکھا۔ دراصل یہ کتاب ایک روزنامچہ اور ڈائری ہے، جس میں بابر نے اپنی جنگی مہمات سے متعلق واقعات نہایت ہی دلچسپ اور دلکش انداز میں پیش کیا ہے جو تزک بابری، توزک بابری، بابرنامہ اور وقائع بابری کے نام سے معروف ہے۔

بابرنامہ قضیۂ بابری مسجد اور رام جنم بھومی کے بارے میں ماخذ اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے یورپین ترجمہ نگاروں نے رام جنم بھومی کا افسانہ تراشنے اور رائی کا پربت بنانے میں سب سے اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہاں پر بابرنامہ اور مختلف زبانوں میں اس کے چند تراجم کا جائزہ لینا مناسب سمجھتا ہوں۔

تزک بابری یا بابرنامہ بابر کی وہ خودنوشت سوانح حیات ہے، جس نے اسے عظیم الشان تاجدار ہونے کے ساتھ بے مثال مصنف بنا دیا۔ اس نے نہایت ہی سادہ اور آسان اسلوب میں اپنی زندگی کے حالات کو بیان کیا۔ تزک بابری کے ذریعہ ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ اس نے کس قدر مصائب و شدائد برداشت کر کے ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جو قندھار سے شمالی ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ تزک بابری ہمیں بتلاتی ہے کہ بابر عظیم جنگجو ہی نہیں تھا بلکہ اعلی پایے کا شاعر، عالم، ماہر عروض اور جغرافیہ داں تھا، وہ تفریح و نشاط اور سیر و شکار کا شوقین تھا۔ خوب صورت باغات اور عمارتیں تعمیر کرنے کا اسے جنون تھا۔ وہ اپنے اعزہ، اقربا، اصحاب اور رعایا کا پوری طرح خیال رکھتا تھا۔ ان کی بڑی سی بڑی غلطیوں کو معاف کر دیتا تھا، مگر سزائیں بھی عبرت ناک دیتا تھا۔ تزک بابری اس بات کا مکمل ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اس نے کبھی کسی عبادت گاہ کو منہدم نہیں کیا۔ وہ شمالی ہند کے جن مقامات سے گذرا اور جہاں قیام کیا، ان کا ذکر تفصیل کے ساتھ تزک بابری میں کرتا ہے۔

تزک بابری بابر کی زندگی کی مکمل داستان نہیں ہے۔ بابر ۱۴ر فروری ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا اور ۲۶ر دسمبر ۱۵۳۰ء کو فوت ہوا۔ اس نے ۴۷ سال ۱۰ ماہ کی عمر پائی۔ بابر نے تزک بابری میں اپنی اٹھارہ سال کی جدوجہد کی داستان رقم کی، جس میں تین اہم خلا ہیں، پہلے میں ۱۵۰۳ سے ۱۵۰۴ یعنی ۹۰۸ھ سے ۹۰۹ھ تک دوسرے میں ۱۵۰۸ سے ۱۵۱۹ تک اور تیسرے میں ۱۵۲۰ سے ۱۵۲۵ تک کا زمانہ شامل نہیں ہے۔ ان سالوں کے واقعات کے لیے دوسرے مآخذ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ مسز بیورج کا دعوی ہے کہ بابر نے مکمل روزنامچہ لکھا لیکن تزک بابر کے گم گشتہ اوراق مختلف حوادث کی نذر ہوگئے۔ ۱۵۱۲ (۹۱۸ ہجری) میں حصار کے نزدیک اس کا کیمپ برباد ہوگیا۔ دوسرا واقعہ ۱۵۲۹ میں پیش آیا۔ تیسرا ہمایوں (۱۵۴۱-۱۵۵۵) کی شیر شاہ سوری کے عہد میں بے سروسامانی کی حالت میں جلاوطنی کے دوران پیش آیا۔ (تفصیل: بابرنامہ، ترجمہ اے ایس بیورج مقدمہ صفحہ XXXV)، عبدالرحیم خان خاناں کے فارسی ترجمہ سے اردو ترجمہ رشید اختر ندوی نے کیا۔ اس ترجمہ کے مطابق ابتدا میں فرغانہ کی بادشاہت، خاندانی حالات پھر ۹۰۳ھ سے ۹۰۴ ہجری تک کے واقعات مذکور ہیں۔ اس کے بعد ۹۰۸ھ کے واقعات ہیں۔ ۹۰۹ھ اور ۹۱۰ھ کے غائب ہیں۔ ۹۱۱ھ سے ۹۱۵ھ تک کے واقعات مسلسل ہیں، پھر ۹۱۶ھ سے ۹۳۱ھ تک کے واقعات موجود نہیں ہیں۔ دوبارہ ۹۳۲ھ سے ۹۳۵ھ تک کے واقعات تسلسل کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں۔ رجب ۹۳۶ھ میں بابر بیمار پڑا اور ۵ جمادی الاولی ۹۳۷ھ میں وفات ہوئی یعنی آخر میں ڈیڑھ سال کے واقعات گم ہیں۔ مسز بیوریج نے اپنے ترجمہ میں ۱۵۰۸-۱۵۱۹ مطابق ۹۱۴ھ-۹۲۵ھ (غالبا ۹۱۶ھ) کے واقعات لکھ کر تسلسل قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔ (صفحات ۳۴۹-۳۶۶) یعنی ۱۵۱۹-۹۲۵ھ کے واقعات آگئے ہیں، لیکن ۱۵۲۰-۱۵۲۵ھ یعنی ۹۲۶ھ-۹۳۱ھ کے واقعات سے تزک خالی ہے۔ بابر کی زندگی کے ان واقعات کو جاننے کے لیے یہاں ہمیں اس کے معاصر مورخین کی کتابوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

تزک بابری کے نسخے اور اس کے فارسی تراجم:

تزک بابری کا ایک قلمی نسخہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں اور دوسرا نسخہ لندن برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ ایک ترکی متن المنسکی نے ۱۸۵۷ء میں شائع کیا۔ دوسرا متن ۱۹۰۵ء میں مسز بیوریج نے شائع کیا۔ ال ایف رش بروک ولیمز مصنف ظہیرالدین محمد بابر نے رایل جرنل ایشاٹک سوسائٹی کے جرنل ۱۹۰۶ء ص ۸۷ کے حوالہ سے بتلایا کہ موخرالذکر غالبا بابر کے خود نوشت متن کی براہ راست نقل ہے۔

ترکی زبان میں ہونے کی وجہ سے تزک بابری کے استفادے سے شاید بیشتر اہل علم خصوصا ہندوستانی مورخین

محروم رہتے ،مگر علم کی دنیا عبدالرحیم خان خاناں کا سدا احسان مند رہے گی جنہوں نے تزک بابری کو فارسی زبان میں منتقل کر کے ہندوستانیوں کو سلطنت مغلیہ کے بانی سے واقف کرادیا۔خان خاناں نے یہ ترجمہ اکبر بادشاہ کے حکم سے ۹۹۸ھ مطابق ۱۵۸۹ میں کیا۔یہی ترجمہ دیگر زبانوں کے تراجم خصوصا اردو تراجم کی بنیاد بنا۔عہد مغلیہ کے تمام مورخین نے اسی ترجمہ کو سامنے رکھ کر بابر کے حالات لکھے،بعض مورخین نے تزک بابری کے اس فارسی ترجمہ کو من وعن نقل کر دیا۔مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی نے تذکرہ غازی ظہیر الدین محمد بابر کے نام سے ایک شاندار کتاب لکھی جو غالبا ۱۹۲۷ء میں کتابی شکل میں شائع ہوئی،اس کے مقدمہ میں مولانا ذکر کرتے ہیں کہ آگرہ کی لائبریری میں عبدالرحیم خان خاناں کے فارسی ترجمہ کو میں نے پڑھا،اس ترجمہ اور آئین اکبری کی مدد سے یہ کتاب ترتیب دی ، یہ کتاب ۱۸۹۰ء میں حیدرآباد کے ایک رسالہ محسن میں مضمون کی شکل میں شائع ہوئی تھی۔خان خاناں کا اسلوب نہایت سلیس اور سادہ ہے اور ایک خاص ادبی چاشنی لیے ہوئے ہے۔بروک ولیمز نے ماخذ خصوصی کے تحت خان خاناں سے پہلے کا ایک اور ترجمہ کا ذکر کیا،جس کا مترجم پائندہ حسن ہے۔

تزک بابری کے اردو تراجم:

اردو دنیا نے بھی تزک بابری کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اور مختلف ادوار میں مختلف تراجم وجود میں آئے۔سب سے پہلا ترجمہ مرزا نصیر الدین گورگانی کا ہے۔یہ ترجمہ ۱۹۶۲ء میں کراچی کے پبلشر بک لینڈ نے شائع کیا۔بابر کے زمانے سے ہی فارسی کتابوں میں عنوانات دینے کا رواج تھا،لیکن گورگانی نے فلاں سال کے واقعات لکھنا کافی سمجھا، حیدرآباد کے مخطوطے میں جو اصل سے قریب سمجھا جاتا ہے، اس کے علاوہ موجود از بیک ایڈیشن ۱۹۶۰ء، ہندی ترجمہ تنقیدی متن جسے جاپانی اسکالر ایجی مانو نے تیار کیا تھا،اس میں بھی ایسا ہی ہے،لیکن اکثر ترجموں میں واقعات عنوان دیئے گئے ہیں،اینٹ بیوریج کا پورا انگریزی ترجمہ اور پروفیسر ڈبلیو ٹیکسٹن کے نئے انگریزی ترجمہ میں بھی ایسا ہی گیا ہے،مرزا نصیر الدین شاہ کے ترجمے میں شرحیں کافی ہیں۔مترجم نے بعض الفاظ کے ترجمے لیڈن ارسکن کے انگریزی ترجمے سے ملایا ہے۔گورگانی نے یہ ترجمہ ۱۸۹۸ء میں ہی کرلیا تھا،لیکن ان کی زندگی میں شائع نہ ہوسکا۔ان کی وفات کے بعد ان کے بچوں نے شائع کیا۔

دوسرا ترجمہ رشید اختر ندوی کا ہے۔ان کی کتاب ۱۹۹۱ء میں لاہور کے سنگ میل سے شائع ہوئی ہے اور ہندوستان میں اسے الحسنات دہلی نے شائع کیا ہے۔یہ ترجمہ فارسی نسخہ سے کیا گیا ہے جو ممبئی کے چترا پر بھا پریس سے

چھپی تھی، اس کا فارسی قلمی نسخہ اودے پور کے راجہ لائبریری سے ملا ہے۔ اس اردو ترجمہ میں کوئی شرح و حاشیہ نہیں ہے۔ لہذا یہ علمی ایڈیشن نہیں ہے۔ اس ایڈیشن میں بھی عنوانات دیئے گئے ہیں، جیسے سمرقند پر.....آگرہ کی سمت بلوچستان میں ہنگامہ ساتھ کہیں واقعات کے سال بھی دیے گئے جسے ۹۳۲ھ کے واقعات۔ رشید اختر ندوی اپنے ترجمہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''فارسی کی اصل کتاب دوسو چھیالیس صفحات پر مشتمل ہے، اس کے کئی صفحات کرم خوردہ ہیں، ہم یہ دعوی تو نہیں کر سکتے کہ ہم نے اس کتاب کے ترجمہ کے وقت وہی عرق ریزی کی ہے جو اس کے اصل مترجم عبدالرحیم خان خاناں نے کی، تاہم ہم نے پوری کوشش کی ہے کہ لفظی ترجمہ میں الجھے بغیر اس کے مافی الضمیر کو اردو میں منتقل کر دیں۔

بابر نامہ کا ایک ترجمہ محمد قاسم صدیقی نے کیا جو ۱۹۸۳ء میں ترقی اردو بیورو سے شائع ہوا، اس کے کل صفحات چوسٹھ ہیں، ترجمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مترجم نے کوئی خاص محنت نہیں کی، اس نے مختصر طور سے تزک بابری کے خلاصے کو بیان کر دیا۔

بابر نامہ کا تیسرا نیا ترجمہ یونس جعفری (ہندوستان) نے پورا کیا، حواشی اور جزئیات حسن بیگ نے لکھے ہیں، حسن بیگ نے ان تمام مقامات کا بذات خود مشاہدہ کیا جہاں بابر نے قیام کیا تھا یا جہاں سے گذرا تھا اور اس علاقے کے لباس میں فوٹو بھی کھینچوا کر شامل کتاب کیا، بابر نامہ کے کئی نام ہیں لیکن عبدالرحیم خان خاں نے اس کے لیے وقائع بابری کا نام اختیار کیا، یونس جعفری نے بھی اپنے ترجمہ کا نام وقائع بابری رکھا۔ پیش لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ محشی کو پہلے اور دوسرے ترجمے کا بخوبی علم تھا۔ پیش لفظ میں یہ بھی بتلایا گیا کہ مرزا حیدر گورگانی کا ترجمہ ۱۸۹۸ء میں تیار ہوا تھا، لیکن مولف اپنی حیات میں اسے شائع نہ کرا سکے۔ بعد میں ان کے بچوں نے اس ترجمہ کو شائع کرایا۔ مترجم گورگانی اور رشید ندوی کا ترجمہ باریک بینی سے دیکھا اور جانچا، ان کی غلطیوں اور کمزوریوں پر غور کرنے کے بعد ترجمے کو ہاتھ لگایا، انہیں پتہ تھا کہ پہلے دو ترجموں کی بنیادی غلطی ان میں حواشی کی کمی آج کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی ہے۔ اس لیے بیگ نے ہر مناسب مقام کو حواشی سے مزین کیا۔ جعفری کے ترجمے تک میری رسائی نہیں ہوسکی ہے۔ میں نے شار ہمید ووا (از بیکستان) کے ایک مضمون ''تزک بابری'' کا ترجمہ ''گورگانی سے جعفری تک'' سے استفادہ کیا ہے۔

☆☆☆

حرمین شریفین

بلدِ حرام کے فضائل اوراس کے بعض احکام

(۳)

محمد اسلم مبارک پوری

بلد حرام اپنی جلالت قدر اور عظمت کے ساتھ ساتھ متعدد قابل تعظیم جگہوں، متبرک مقامات اور واضح نشانیوں پر مشتمل ہے، جو اس کی تعظیم وتکریم اور شرف میں چار چاند لگاتی ہیں۔اس سلسلہ میں کتاب وسنت میں شرعی نصوص وارد ہیں، جو ان بابرکت جگہوں کے فضائل واحکام، اور ان کی تعظیم کے مشروع طریقوں کو بیان کرتی ہیں، اور وضاحت کرتی ہیں کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تعظیم وتشریف کے ارادے سے ان مشروع طریقوں سے تجاوز کرے۔ان طریقوں کو ذیل میں بیان کیا جارہا ہے۔

۱-کعبہ اور کعبہ کے بعض احکام:

کعبہ ہی بیت اللہ شریف ہے، جو مسجد حرام کے وسط میں مربع شکل میں موجود ہے۔اس کا دروازہ زمین سے قدرے بلند ہے۔کہا جاتا ہے کہ مربع شکل میں موجود ہونے کی وجہ سے اس کا نام ''کعبہ'' رکھا گیا ہے۔(۱) صراحت اور غیر صراحت کے ساتھ کعبہ کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے، چنانچہ صراحۃً مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں وارد ہے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿جعل الله الكعبة البيت الحرام قياما للناس﴾ (المائدہ:۹۷) (ترجمہ) اللہ تعالی نے کعبہ کو جو کہ ادب کا مکان ہے لوگوں کے لیے قائم رہنے کا سبب قرار دیا ہے۔

کعبہ کے دوسرے ناموں میں سے ایک نام یہ بھی ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے اس فرمان میں بیان کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿وإذ يرفع إبراهيم القواعد من البيت وإسماعيل ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم﴾ (البقرۃ:۱۲۷) (ترجمہ) اور جب حضرت ابراہیم واسماعیل-علیہما السلام-بیت اللہ کی بنیادیں اور دیواریں اٹھا رہے تھے، یہ دعا کررہے تھے کہ: اے ہمارے پروردگار! تو (اس تعمیر کو) ہم سے قبول فرما، تو ہی سننے والا، جاننے والا ہے۔

مزید ارشاد ربانی ہے:

﴿وإذ بوأنا لإبراهيم مكان البيت أن لا تشرك بي شيئا وطهر بيتي للطائفين والقائمين والركع السجود﴾ (الحج:۲۶) (ترجمہ) اور جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے کعبہ کے مکان کی جگہ مقرر کردی، اس شرط پر کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، اور میرے گھر کو طواف، قیام، رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھنا۔

(۱) دیکھو: المجموع المغیث: ۵۲/۳۔

اورارشادربانی ہے:

﴿ثم ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم وليطوفوا بالبيت العتيق﴾ (الحج:۲۹)

(ترجمہ) پھروہ اپنا میل کچیل (یعنی بال، ناخن وغیرہ) دورکریں، اوراپنی نذریں پوری کریں، اوراللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں۔

کعبہ ہی ''بیت حرام'' اور ''بیت عتیق'' ہے۔

حضرات ابراہیم علیہ السلام نے ہی کعبہ کی بنیادیں اٹھائی ہیں، اوراسے بنایا ہے اوراس تعمیر میں ان کے فرزند اسماعیل علیہ السلام نے ان کا ہاتھ بٹایا ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذر چکا ہے۔ اللہ تعالی نے کعبہ کو وہ حرمت اور تقدس بخشا ہے جو روئے زمین پر کسی اورگھر کو حاصل نہیں۔

اس مناسبت سے کعبۃ اللہ کے تعلق سے چند آداب واحکام ہدیۂ ناظرین ہیں:

(أ) خانہ کعبہ کا طواف:

اللہ تعالی نے بیت اللہ شریف کے علاوہ کسی اورگھر کا طواف کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اوراس گھر کے طواف کو افضل اعمال میں سے بنایا ہے، جس کا حکم دیتے ہوئے قرآن مجید میں ارشادفرمایا ہے: ﴿وليطوفوا بالبيت العتيق﴾ (الحج:۲۹) اوراللہ کے قدیم گھر کا طواف کریں۔

اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم اوران کے فرزند حضرت اسماعیل-علیہما السلام-کوطواف کرنے والوں اوراعتکاف کرنے والوں کے لیے بیت اللہ شریف کی پاکیزگی کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

﴿وعهدنا إلى إبراهيم وإسماعيل أن طهرا بيتي للطائفين والعاكفين والركع السجود﴾ (البقرۃ:۱۲۵) (ترجمہ) ہم نے ابراہیم اوراسماعیل علیہما السلام سے وعدہ لیا کہ تم میرے گھر کوطواف کرنے والوں اوراعتکاف کرنے والوں، اوررکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو۔

شارع حکیم نے بیت اللہ شریف کا حج وعمرہ کرنے والوں پر کعبہ کے اردگردطواف کرنے کورکن قرار دیا ہے، لہذا خانہ کعبہ کے طواف کے بغیر حج وعمرہ صحیح نہیں ہوگا۔ حج وعمرہ کے علاوہ بھی شارع حکیم نے طواف کی ترغیب دلائی ہے۔ اوراس پر اجرعظیم مقرر کیا ہے۔ لہذا غبن اورخسارہ میں ہے وہ شخص جوموقع میسر آنے کے باوجود بکثرت طواف نہ کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا ہے: "من طاف سبعا فهو كعدل رقبة" (۱) جس نے کعبہ کا سات چکر (طواف) کیا (اس کا ثواب) ایک گردن آزاد کرن کے مانند ہے۔

(۱) سنن نسائی: ۲۲۱/۵، شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح النسائی (حدیث نمبر ۲۷۳۲) میں اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: "من طاف بالبيت كتب الله – عز وجل – له بكل خطوة حسنة، ومحا عنه سيئة" (۱) جس نے کعبہ کا طواف کیا، اللہ تعالی اس کے لیے ہر قدم کے بدلے ایک نیکی لکھ دیتا ہے، اور ایک برائی مٹا دیتا ہے۔

اسی طرح شارع نے ہر حاجی پر مکہ سے روانگی کے وقت طواف وداع کو واجب قرار دیا ہے۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: "أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت إلا أنه خفف عن الحائض" (۲) لوگوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کا آخری عہد خانہ کعبہ کا (طواف وداع) ہو، الا یہ کہ حائضہ عورت سے تخفیف کر دی گئی ہے یعنی حائضہ عورت پر طواف وداع واجب نہیں۔

صحیح مسلم میں انہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ (حج کے بعد) لوگ ہر چار سو میں لوٹ جاتے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "لا ينفرن أحد حتى يكون آخر عهده بالبيت" (۳) کوئی رخت سفر نہ باندھے یہاں تک کہ اس کا آخری عہد خانہ کعبہ کا طواف (وداع) ہو۔

شارع نے کسی بھی وقت کعبہ کے ارد گرد طواف کرنے والوں کو روکنے سے بھی ڈرایا ہے۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "يا بني عبد مناف، لا تمنعن أحدا طاف بهذا البيت وصلى أي ساعة شاء من ليل أو نهار" (۴) اے بنو عبد مناف، تم کسی کو رات اور دن کے کسی حصہ میں کعبہ کا طواف کرنے، اور اس میں نماز پڑھنے سے نہ روکو۔

(ب) کعبہ زندہ اور مردہ تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے:

اللہ تعالی نے بیت اللہ الحرام کو تمام مسلمانوں کا قبلہ بنایا ہے، جو اپنے پروردگار کے لیے اپنی نمازوں میں اس کی طرف

(۱) اس حدیث کو امام ترمذی نے کتاب الحج (حدیث نمبر ۹۵۹) میں حاکم (۸۹/۱)، ابن خزیمہ (حدیث نمبر ۲۷۵۳) اور ابن حبان (۱۰/۹، حدیث نمبر ۳۶۹۷) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عطاء بن سائب راوی اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن سفیان بن عیینہ کے طریق سے مسند احمد (۱۱/۲) میں اس کی متابعت کی گئی ہے۔ اور سفیان بن عیینہ نے عطاء سے اختلاط سے قبل روایت کیا ہے، اور اس کی متابعت سفیان ثوری نے ابن حبان کی روایت (۱۲/۹) میں کی ہے۔ لہذا یہ حدیث ان متابعات کی وجہ سے تقویت پاتی ہے کیوں کہ سفیان ثوری اور ابن عیینہ دونوں نے عطاء بن سائب سے اختلاط سے قبل روایت کیا ہے۔ دیکھئے: السلسلۃ الصحیحۃ للألبانی رحمہ اللہ: ۹۷/۶۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الحج، باب طواف الوداع، حدیث نمبر ۱۷۵۵۔

(۳) صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۳۲۷۔

(۴) اس حدیث کو ابوداود (حدیث نمبر ۱۸۹۴) ترمذی (حدیث نمبر ۸۶۸) اور اسے صحیح کہا ہے، نسائی ۲۸۴/۱، ۲۲۳/۵، ابن ماجہ (حدیث نمبر ۱۲۵۴) ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں (حدیث نمبر ۲۷۷)، ابن حبان (حدیث ۱۵۵۲) اور حاکم نے مستدرک (۴۴۸/۱) میں روایت کیا ہے، اور اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

رخ کرتے ہیں۔اللہ تعالی اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾ (البقرۃ:۱۴۴) (ترجمہ) آپ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کر کے دو رکعت نماز پڑھی، اور فرمایا: "هذه القبلة" (۱) یہی قبلہ ہے۔

سنن نسائی میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: پھر آپ ﷺ کعبہ کے اندر سے نکلے۔آپ نے کعبہ کی طرف چہرہ کرتے ہوئے دو رکعت نماز ادا کی۔پھر متوجہ ہو کر فرمایا: "هذه القبلة، هذه القبلة" (۲) یہی قبلہ ہے، یہی قبلہ ہے۔لہذا کعبہ کی چہار سمت قبلہ ہے۔کسی نمازی کی نماز اس وقت تک صحیح نہیں ہوگی جب تک کہ عین کعبہ کی طرف متوجہ نہ ہو، بشرطیکہ کعبہ اس کے پیش نظر ہو، اور وہ اسے دیکھ رہا ہو۔اور اگر قبلہ سے منحرف ہو گیا تو اس حالت میں پڑھی گئی نماز کا اعادہ ضروری ہے۔اور جو لوگ کعبہ سے دور ہیں ان پر اس کی سمت کا استقبال ضروری ہے۔(۳)

لیکن اس حکم سے مسافر کے لیے نفل نماز کا حکم الگ ہے۔وہ اسی حالت میں نماز پڑھے گا جدھر اس کی سواری رخ کرتی ہے۔یہ نبی ﷺ کی طرف سے امت کے لیے سہولت ہے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ "رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر نماز پڑھتے تھے جدھر سواری رخ کرتی۔جب آپ فرض پڑھنے کا ارادہ کرتے تو سواری سے اترتے، اور کعبہ کا استقبال کرتے۔(۴)

جس طرح کعبہ زندگی میں مسلم کی نماز کا قبلہ ہے، اسی طرح مرنے کے بعد بھی اس کا قبلہ ہے جیسا کہ کبیرہ گناہوں کے تذکرہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی موقوف حدیث میں ہے: "والإلحاد في البيت الحرام، قبلتكم أحياء وأمواتا" (۵) بیت حرام (خانہ کعبہ) میں الحاد کرنا کبیرہ گناہ ہے جو تمہارے مردوں اور زندوں کا قبلہ ہے۔اسی لیے مردہ کو قبر میں دائیں پہلو رکھا جاتا ہے، اور اس کا چہرہ قبلہ رخ ہوتا ہے۔اسی پر عہد نبوی سے لے کر آج تک اہل اسلام کا عمل ہے۔اور روئے زمین پر مسلمانوں کی تمام قبریں ایسے ہی ہوتی ہیں۔(۶)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب قول اللہ تعالی ﴿واتخذوا من مقام إبراهيم مصلى﴾ (حدیث نمبر ۳۹۸۔

(۲) سنن نسائی ۲۲۰/۵، علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح النسائی (حدیث نمبر ۲۷۲۸) میں "صحیح الاسناد" کہا ہے۔اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ امام مسلم نے کتاب الحج، باب طواف الوداع وسقوطہ عن الحائض (حدیث نمبر ۱۳۳۰) میں روایت کیا ہے۔

(۳) اسے قرطبی نے ذکر کیا ہے، اور بیان کیا ہے کہ اس بارے میں علماء میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔تفسیر قرطبی ۱۶۰/۲۔

(۴) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب التوجہ الی القبلۃ حیث کان، حدیث نمبر ۴۰۰۔

(۵) اس کی تخریج گذر چکی ہے۔

(۶) محلی ابن حزم ۱۷۳/۵۔

(ج) قضاء حاجت کے وقت کعبہ کی طرف رخ اور پیٹھ کرنے کی ممانعت:

بیت اللہ شریف کی حرمت کی تعظیم کی وجہ سے نبی ﷺ نے قضاء حاجت کے وقت کعبہ اور کعبہ کی سمت چہرہ اور پیٹھ کرنے سے منع کیا ہے۔ بخاری ومسلم نے حضرت ابوایوب انصاری -رضی اللہ عنہ- سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "إذا أتيتم الغائط فلا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها، ولكن شرقوا أو غربوا" (۱) جب تم بیت الخلاء آؤ تو قبلہ کی طرف چہرہ اور پیٹھ نہ کرو، لیکن مشرق ومغرب کی طرف کرو۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ شام آئے تو بیت الخلاء کو قبلہ کی جانب تعمیر شدہ پایا، پس ہم لوگ مڑ جاتے تھے اور اللہ تعالی سے استغفار کرتے تھے۔

امام مسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، ان سے کہا گیا کہ تمہارے نبی محمد ﷺ نے تمہیں ہر چیز یہاں تک قضاء حاجت کے آداب بھی سکھائے ہیں، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں، البتہ ہمیں پیشاب اور پائخانہ کے وقت قبلہ کا استقبال کرنے، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے، اور تین پتھر سے کم سے استنجاء کرنے، اور گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع کیا ہے۔ (۲)

یہ احادیث صحیحہ ظاہری طور پر قضاء حاجت کے وقت خواہ عمارت ہو، یا صحراء، بلا کسی قید کے کعبہ کی طرف رخ اور پیٹھ کرنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں، لیکن دوسرے نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ممانعت صرف صحراء میں ہے عمارت میں نہیں۔ انہی نصوص میں سے یہ نص بھی ہے جسے امام بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: چند افراد کہتے ہیں کہ جب قضاء حاجت کے لیے بیٹھو تو قبلہ اور بیت المقدس کا استقبال نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: میں ایک دن اپنے گھر کی چھت پر چڑھا، رسول اللہ ﷺ کو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے دو اینٹوں پر قضاء حاجت کرتے ہوئے دیکھا۔ (۳)

اور مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بایں لفظ مروی ہے، انہوں نے فرمایا:

"رقيت بيت أختي حفصة، فرأيت رسول الله ﷺ قاعدا لحاجته مستقبل الشام مستدبر القبلة" (۴) میں اپنی ہمشیرہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر (کی چھت) پر چڑھا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو شام کی طرف چہرہ کئے ہوئے، قبلہ کی طرف پیٹھ کئے ہوئے دیکھا۔

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الصلاۃ، باب قبلۃ اہل المدینۃ واہل الشام والمشرق، حدیث نمبر ۳۹۴، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ، باب الاستطابۃ، حدیث نمبر ۲۶۴، مسلم کی روایت میں "ولا تستدبروها" کے بعد "ببول أو غائط" کی زیادتی ہے۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الاستطابۃ، حدیث نمبر ۲۶۲۔

(۳) صحیح بخاری کتاب الوضوء، باب من تبرز علی لبنتین، حدیث نمبر ۱۴۵، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الاستطابۃ، حدیث نمبر ۲۶۶۔

(۴) صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الاستطابۃ، حدیث نمبر ۲۶۶۔

دونوں حدیث کے درمیان تطبیق میں اہل علم کے اقوال مختلف ہیں:

ان نصوص کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے جمہور علماء اس خیال پر ہیں کہ ممانعت فضاء اور صحراء میں ہے، اور جواز اندرون عمارت ہے۔ اس قول کو ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ: تمام دلیلوں پر عمل کی وجہ سے یہ قول مبنی برانصاف ہے۔(۱)

(د) جنہیں کعبہ میں داخل ہونا میسر ہو، اسے اس میں دو رکعت نماز پڑھنا مستحب ہے:

کعبہ کے اندر نفل نماز پڑھنا مستحب ہے، جنہیں بغیر اذیت رسانی اور پریشانی کے یہ موقع میسر ہو۔ اس لیے کہ نبی ﷺ فتح مکہ کے موقع پر کعبہ میں داخل ہوئے، اور دو رکعت نماز ادا کی۔ امام بخاری نے سالم سے روایت کیا ہے، وہ اپنے والد (ابن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، ان کے والد نے کہا: رسول اللہ ﷺ، اسامہ بن زید، بلال، اور عثمان بن طلحہ- رضی اللہ عنہم- کعبہ میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کرلیا۔ جب ان لوگوں نے کھولا تو سب سے پہلے میں داخل ہوا۔ سامنے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو پایا، ان سے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے کعبہ میں نماز ادا کی ہے، فرمایا: ہاں، دو یمانی کھمبوں کے درمیان۔(۲)

جس شخص کے لیے کعبہ کے اندر داخل ہونا میسر ہو، اسے کسی بھی گوشہ میں نماز پڑھنا درست ہے۔ اسے حضرت عبداللہ

---

(۱) فتح الباری ۱/۲۹۶، اس مسئلہ میں تمام اقوال کا خلاصہ صرف دو قول ہے:

پہلا قول: مطلق ممانعت کا ہے۔ یہی حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن مسعود- رضی اللہ عنہم اجمعین- مجاہد، نخعی، ثوری، ابوثور، عطاء اور اوزاعی وغیرہم کا ہے۔ دیکھئے: الأوسط (۱/۳۲۵-۳۲۶)، التمہید ۱/۳۰۹، شرح السنۃ ۱/۳۵۸، المحلی لابن حزم ۱/۱۹۴، اور یہی احناف کا مذہب ہے۔ دیکھئے حاشیہ ابن عابدین ۱/۳۴۱، اسی کو ابن العربی المالکی نے عارضۃ الاحوذی (۱/۲۷) میں راجح کہا ہے، اور یہی امام احمد کی ایک روایت ہے جیسا کہ تصحیح الفروع (۱/۱۱۱) میں ہے۔ اسی چیز کو ابن حزم نے محلی (۱/۱۸۹) اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے جیسا کہ الاختیارات العلمیۃ (ص ۱۵) میں ہے۔ زادالمعاد (۱/۴۹) میں ابن قیم نے اسی کی تائید کی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تعمیر شدہ اور خالی جگہوں میں تفریق یعنی تعمیر شدہ جگہوں میں استقبال واستدبار قبلہ جائز ہے اور فضاء وصحرا میں ناجائز ہے۔ یہی مالکیہ (المدونۃ ۱/۱۱۷، التمہید ۱/۳۰۹) اور شافعیہ (الأم ۱/۱۷۶، المجموع ۱/۹۲) اور حنابلہ کا مشہور مذہب ہے۔ دیکھئے مغنی ابن قدامہ ۱/۱۰۷، الانصاف ۱/۱۰۰، اور یہی امام بخاری، اور حافظ ابن حجر- رحمہم اللہ- کا پسندیدہ قول ہے۔ فتح الباری ۱/۲۴۶۔

راقم سطور کا رجحان یہ ہے کہ عمارت وصحراء دونوں جگہوں میں بوقت قضائے حاجت قبلہ کی طرف رخ اور پیٹھ کرنا قبلہ کے تقدس کے منافی ہے۔ اس لیے قبلہ کی طرف رخ یا پیٹھ نہیں کرنا چاہیے۔ یہی راوی حدیث حضرت ابوایوب انصاری کا نقطۂ نظر ہے۔ علامہ شوکانی، نواب صدیق حسن خاں، مولانا محدث مبارکپوری اور شیخ البانی رحمہم اللہ کا خیال ہے۔

(۲) صحیح بخاری کتاب الحج، باب اغلاق البیت ویصلی فی أی نواحی البیت، حدیث نمبر ۱۵۹۸، صحیح مسلم کتاب الحج، باب استحباب دخول الکعبۃ للحاج وغیرہ والصلاۃ فیھا والدعاء فی نواحیھا کلھا، حدیث نمبر ۱۳۲۹۔

بن عمر کے آزاد کردہ غلام نافع نے ذکر کیا ہے۔(۱)

لیکن یہ نفل نماز کے بارے میں ہے۔تاہم کعبہ کے اندر فرض نماز پڑھنے کے جواز میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔حجر (حطیم) میں نماز پڑھنا کعبہ کے اندر نماز پڑھنا ہے، کیوں کہ حجر کعبہ کا حصہ ہے۔لہذا اس کا حکم کعبہ کا حکم ایک ہے۔

ان شاء اللہ اس بارے میں مفصل بیان آئندہ صفحات میں آئے گا۔

(ھ) کعبہ کا نتیجۂ اختتام:

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں متعدد مقامات میں قیامت کے متعلق خبر دی ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اپنے فرمان میں اس کی واضح رہنمائی فرمائی ہے۔کتاب وسنت میں قیامت کے وقوع کی اہم اہم نشانیاں اور علامتیں بیان کی گئی ہیں۔سب سے بڑی اور اہم نشانیوں میں سے کعبہ مشرفہ کی تخریب کاری اور انہدام ہے تا کہ پھر کبھی آباد نہ ہو سکے، اور یہ وہ دن ہوگا جن دن روئے زمین میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا (جس کے بعد قیامت قائم ہو جائے گی)۔

امام بخاری ومسلم نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا:

"یخرب الکعبة ذو السویقتین من الحبشة" (۳) حبشہ سے دو باریک پتلی اور چھوٹی ٹانگوں والا خانہ کعبہ کو ویران کرے گا۔وہ زمانہ پانے سے ہم اللہ تعالی کی پناہ چاہتے ہیں۔

☆☆☆

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب (۹۷) حدیث نمبر ۵۰۶۔

(۲) دیکھئے: فتح الباری ۳/۴۶۶-۴۶۷۔

(۳) صحیح بخاری کتاب الحج، باب ھدم الکعبۃ، حدیث نمبر ۱۵۹۵، صحیح مسلم کتاب الفتن واشراط الساعۃ، حدیث نمبر ۲۹۰۹۔

تاریخ وتحقیق

مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کی ایک اہم تحریر
متعلقہ ''تاریخ مرکزی دارالعلوم'' بنارس

مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی رمئو

''۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہوا۔لیکن دوحصوں میں تقسیم ہوگیا۔دونوں طرف دردناک تباہی اور ترک وطن کا عذاب برپا تھا۔ جماعت اہل حدیث دوٹکڑے نہیں بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی تھی۔اس بحرانی کیفیت میں جماعت نے حضرت مولانا عبدالوہاب آروی کو(آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا) عبوری صدر اور مولانا عبدالجلیل رحمانی کو عبوری ناظم منتخب کیا تھا''۔(۱)

ان دونوں بزرگوں کی بالخصوص اور دیگر اکابرین جماعت کی بالعموم جدوجہد اور دوادوش سے جماعت کی ازسرنو شیرازہ بندی کی راہیں ہموار ہوئیں اور جماعت کی نشأۃ ثانیہ ہوئی۔۱۹۵۵ء میں باضابطہ مولانا آروی کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کا صدر اور مولانا رحمانی کو ناظم اعلی منتخب کیا گیا۔مولانا رحمانی ۱۹۷۲ء تک (کچھ وقفہ وفترہ کے ساتھ) کم وبیش سترہ سال اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔(۲) اور مولانا آروی کے دوش بدوش اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ جماعت وجمعیۃ میں بیداری اور حرکت وعمل کی روح پھونکتے رہے،اس سلسلہ میں آپ کی مساعی جلیلہ وجمیلہ اور آپ کی تضحیات وخدمات بھی بہت نمایاں ہیں،اور آپ کا رول بھی نہایت اہم اور ناقابل فراموش ہے،آپ نے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس اور مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند کے نشیب وفراز کو قریب سے دیکھا ہے اور مجلس عاملہ کے اجلاسوں اور کارروائیوں میں شریک رہے ہیں۔اس لیے جماعت وجمعیۃ کے متعلق آپ کے کسی بیان اور تحریر کی بڑی اہمیت ہے اور اس کو دستاویزی حیثیت حاصل ہے۔ذیل میں موصوف کی ایک اہم تحریر جو ناچیز راقم الحروف کے ایک مطبوعہ رسالہ ''تاریخ مرکزی دارالعلوم، بنارس'' سے تعلق رکھتی ہے اپنے رسالہ میں ایک اہم اضافہ کے طور پر نقل کررہا ہوں۔یہ تحریر مولانا مرحوم کی سیرت وسوانح ''علامہ عبد الجلیل رحمانی حیات وخدمات'' کے صفحات: ۲۵۸، ۲۵۹ میں ''اخبار اہل حدیث'' (دہلی) شمارہ ۷رستمبر ۱۹۷۴ء سے منقول ہے۔مولانا تحریر فرماتے ہیں:

''قوموں اور ملتوں کی تاریخ میں ایسا بھی دور آتا ہے کہ قومی وملی آثار وروایات کی یاد اور نام کا برقرار رکھ لینا ہی بہت بڑا قومی وملی کارنامہ شمار کیا جاتا ہے،تقسیم ملک کے بعد عملی حیثیت سے سالہا سال (آل انڈیا اہل حدیث) کانفرنس کچھ نہیں

(۱) مولانا رحمانی رحمہ اللہ کی تحریر سے ماخوذ (علامہ عبدالجلیل رحمانی حیات وخدمات ص:۱۰۳)

(۲) ماخوذ از تحریر مولانا عارف سراجی (ایضاص:۲۲۹)

تھی، مگر علامہ (عبدالوہاب) آروی مدظلہ کی سیاسی مہارت تھی کہ ظاہری سطح پر کانفرنس کو جوں کا توں زندہ رکھا، جماعت اہلحدیث کی نمائندگی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے کی جاتی رہی .....آخر آہستہ آہستہ ایک وقت آیا کہ مرکزی درسگاہ کے لیے اراضیات دینے کی پیش کش ہونے لگی، (منتظمہ کمیٹی جامعہ اسلامیہ (اکبر پور جمنی ضلع بستی (حالیہ سدھارتھ نگر) اور (انجمن) جامعہ رحمانیہ، بنارس نے اراضیات کی پیشکش کی۔ مالیگاؤں، دہلی اور بنارس کی میٹنگوں میں مرکزی عاملہ نے ان پیشکشوں پر غور کر کے بنارس کو ترجیح دیا۔ یہ ۱۹۵۷ء تا ۱۹۶۰ء کے درمیانی سالوں کی بات ہے، یہاں تک کہ نومبر ۱۹۶۱ء میں اجلاس عام نوگڈھ منعقد ہوا''۔

مولانا رحمانی رحمہ اللہ کی اس مختصر مگر واضح تحریر سے بھی یہ حقیقت ثابت ہے کہ بنارس میں مرکزی دارالعلوم کی داغ بیل نوگڈھ کانفرنس (نومبر ۱۹۶۱ء) سے قبل پڑ چکی تھی، مولانا نے مرکزی دارالعلوم کے لیے زمین کی پیشکش اور اس کی منظوری کے سن وسال کا بالاجمال ذکر فرمایا ہے، اس کی مختصر تفصیل یہ ہے:

جیسا کہ ناچیز نے اپنے مذکورہ رسالہ'' تاریخ مرکزی دارالعلوم'' میں قائد جماعت مولانا عبدالوہاب آروی رحمۃ اللہ علیہ کی دو اہم تحریروں کے اقتباسات پیش کئے ہیں، جن کے متعلقہ موضوع سے متعلق حصہ کا حاصل خلاصہ یہ ہے کہ مرکزی دارالعلوم کے لیے زمین کی پیشکش انجمن رحمانیہ، بنارس کے ذمہ داروں نے مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی املوی ومولانا عبیداللہ رحمانی شیخ الحدیث مبارکپوری کی معرفت پہلے یعنی ۱۹۵۸ء کے اوائل میں کی تھی۔ اور اکبر پور جمنی کے اخوان جماعت نے اس کے لیے زمین کی پیشکش اس کے بعد مجلس عاملہ کے اجلاس مالیگاؤں منعقدہ اکتوبر ۱۹۵۸ء کے موقع پر کی تھی۔ بعد ازاں مجلس عاملہ کے اجلاس بنارس منعقدہ مارچ ۱۹۵۹ء میں جو مرکزی دارالعلوم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے منعقد کیا گیا تھا عمائدین بنارس کی پیشکش کو قطعی منظوری دی گئی۔ اور ان کو اس مومنانہ ایثار پر ہدیۂ تہنیت وتبریک پیش کیا گیا اور اسی میٹنگ میں گیارہ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی کہ وہ جہاں تک ممکن ہو جلد از جلد ماہرین تعمیر کے مشورہ سے مرکزی دارالعلوم کی عمارت کا خاکہ تیار کر کے اور نقشہ بنوا کر بنارس کارپوریشن سے منظور کرائے تاکہ جلد تعمیر شروع ہو سکے۔ بنارس کی اسی میٹنگ میں یہ تجویز بھی بالاتفاق پاس ہوئی تھی کہ دارالعلوم کے سنگ بنیاد کے موقع پر کل ہند کانفرنس اور اجلاس عام منعقد کیا جائے''۔ (یہ نوگڈھ کانفرنس نومبر ۱۹۶۱ء سے ڈھائی سال سے زیادہ پہلے کی بات ہے)۔

بعض وجوہ سے (جو معلوم نہ ہو سکے) نقشہ بنوانے اور کارپوریشن سے منظوری حاصل کرنے میں تاخیر ہوئی۔ اس صورت حال پر مجلس عاملہ کے اجلاس دہلی منعقدہ اکتوبر ۱۹۶۰ء میں غور وخوض ہوا اور جلد از جلد نقشہ بنوانے اور پاس کرانے کی مناسب صورت اور تجویز پاس کی گئی۔ اس کے بعد مذکورہ تعمیری سب کمیٹی اور اعیان بنارس نے مستعدی اور سرگرمی دکھائی اور انجمن جامعہ رحمانیہ کے اراکین نے دارالعلوم کے شایان شان عمارت کا ایک شاندار نقشہ بنوا کر بنارس کارپوریشن سے جلد ہی اس کے مطابق تعمیر کی منظوری بھی حاصل کی، منظوری ملنے کے بعد عمائدین بنارس نے صدر آل انڈیا کانفرنس مولانا آروی کی خدمت میں یہ درخواست ارسال کی کہ'' ہم چاہتے ہیں کہ دارالعلوم کی تعمیر کا کام آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی سرپرستی میں انجام دیں'' (یہ سب کارروائیاں بھی نوگڈھ کانفرنس سے پہلے کی ہیں، اعیان بنارس کی مذکورہ بالا درخواست مولانا آروی کو

نوگڈھ کانفرنس سے پہلے موصول ہوچکی تھی، اسی لیے مولانا نے خطبۂ صدارت میں بھی اس کا ذکر کیا ہے) مذکورہ بالا امور کے اصل مآخذ لیے ملاحظہ ہو: ''تاریخ مرکزی دارالعلوم، بنارس''۔

یہ ہے مولانا عبدالجلیل رحمانی رحمہ اللہ کے بالاجمال ذکر کردہ مرکزی دارالعلوم کے لیے اراضیات کی پیشکش اور مالیگاؤں، دہلی اور بنارس میں منعقدہ مجلس عاملہ کی میٹنگوں اور کارروائیوں کی مختصر تفصیل وتوضیح۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ دہلی میں منعقد مجلس عاملہ کی میٹنگ اکتوبر ۱۹۶۰ء) جس میں مرکزی دارالعلوم کے لیے عمائدین انجمن جامعہ رحمانیہ بنارس کے ۱۹۵۸/۵۹ء میں وقف کردہ زمین پر دارالعلوم کی عمارت کے پلان اور جلد از جلد تعمیر شروع کرنے کے مسئلہ پر غور وخوض ہونے والا تھا۔ اسی موقع سے مولانا رحمانی موصوف نے ضلعی جمعیۃ اہل حدیث بستی وگونڈہ کے ذمہ داروں کے سامنے اپنے یہاں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس اور کل ہند اجلاس عام منعقد کرنے کے لیے اس مجلس عاملہ میں ہنوز درخواست دینے کی تحریک وتجویز پیش کی تھی، چنانچہ کتاب مستطاب ''علامہ عبدالجلیل رحمانی حیات وخدمات'' کے صفحہ ۲۴۴ پر مولانا رحمانی موصوف کی یہ تحریر منقول ہے:

''ستمبر ۱۹۶۰ء کا آخری عشرہ تھا، اطلاع ملی کہ دہلی میں اکتوبر ۱۹۶۰ء کے پہلے ہفتہ میں کانفرنس کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہوگا.....(میں نے) صدر جمعیۃ (بستی وگونڈہ مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری) اور دوسرے ذمہ دار رفقاء کو پرزور خط لکھا کہ فوراً کسی کو دہلی بھیجا جائے اور اجلاس عام کی دعوت دی جائے .....تمام دوستوں نے لبیک کہا، ضلع جمعیۃ کے جنرل سکریٹری (مولانا عبدالمبین منظر) (درخواست لے کر) دہلی گئے اور مجلس عاملہ سے اجلاس عام کی منظوری لے کر آئے''۔

مجلس عاملہ کی اس میٹنگ میں چونکہ اجلاس عام کے انعقاد سے متعلق کوئی ایجنڈا نہیں تھا، اس لیے صدر مجلس مولانا آروی نے اس درخواست کو ''دیگر امور باجازت صدر'' کے تحت میٹنگ میں رکھا اور غور وفکر اور بحث وتمحیص کے بعد اس کو منظوری دی گئی اور اجلاس عام کی تیاری کے لیے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی۔ (ترجمان دہلی ۱۵/اکتوبر، ویکم دسمبر ۱۹۶۰ء)

مولانا رحمانی رحمہ اللہ کی مسطورہ بالا حقیقت پسندانہ تحریر (اور اس کی مذکورہ بالا مختصر تفصیل) کی روشنی میں دیکھا جائے تو ''علامہ عبدالجلیل رحمانی حیات وخدمات'' کے متعدد صفحات میں مندرجہ ذیل قسم کی تحریروں کا غیر تحقیقی اور ادعائی ہونا بالکل ظاہر ہے، مثلاً:

''اس مثالی کانفرنس (نوگڈھ) میں جماعت کی آبرو ''مرکزی دارالعلوم'' کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، اور اس کی تخلیق وتعمیر کا خاکہ مرتب کیا گیا''۔ (ص ۲۸۹)

''مرکزی دارالعلوم کو بنارس میں قائم کرنے کی آخری وقطعی شکل اسی کانفرنس میں دی گئی، مرکزی درسگاہ کے لیے بنارس کی تعیین وتجویز میں احباب جماعت وارباب بصیرت کی نظر وفکر نے ذرہ برابر غلطی نہیں کی''۔ (ص ۳۳۱)

نیز ملاحظہ ہوں صفحات: ۱۲۴، ۱۴۸، ۱۶۱، ۲۹۷، ۳۸۰۔

ظاہر ہے کہ یہ ادعاءات مولانا رحمانی رحمہ اللہ کے بیان وشہادت کے بالکل خلاف ہیں، اور حقیقت تو یہ ہے کہ عمائدین بنارس نے مرکزی دارالعلوم کے لیے اپنی وقف کردہ زمین پر مجوزہ عمارت کا نقشہ بنوانے اور اسے بنارس کارپوریشن

سے منظور کرانے کے بعد دارالعلوم اور اس کی تعمیر کی سرپرستی کرنے کے لیے آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کو جو درخواست دی تھی اور جسے صدر محترم مولانا آروی ؒ نے نوگڈھ کانفرنس کے موقع پر منعقد مجلس عاملہ کی میٹنگ میں غور و فیصلہ کے لیے رکھا تھا، اس مجلس میں سرپرستی کی منظوری دینے کا بھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا گیا، بلکہ اسے کچھ وضاحت طلب امور کی وضاحت اور جواب ملنے پر موقوف کر کے معلق کر دیا گیا اور عمائدین بنارس کو اس سے مطلع کر دیا گیا، بعد میں عمائدین بنارس کی طرف سے مناسب جواب ملنے پر مجلس عاملہ کی میٹنگ منعقدہ دہلی نومبر ۱۹۶۲ء میں سرپرستی کرنے کی منظوری دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ (اخبار اہل حدیث، دہلی شمارہ یکم دسمبر ۱۹۶۱ء وشمارہ یکم دسمبر ۱۹۶۲ء) اس کے بعد عمائدین آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس اور عمائدین انجمن جامعہ رحمانیہ کی مشترکہ میٹنگوں میں دارالعلوم کی تعمیر شروع کرنے اور نومبر ۱۹۶۳ء میں سنگ بنیاد کی تقریب منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔ سنگ بنیاد کے موقع پر اخوان جماعت نے جس دینی و جماعتی جوش وخروش اور تعمیر کے لیے غیر معمولی تعاون پیش کرنے کا مظاہرہ کیا جماعت کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں جیسا کہ مولانا رحمانی نے اپنی مرقومہ بالا تحریر میں آگے لکھا کہ:

''عمائدین بنارس کے قلوب میں اللہ نے حوصلہ پیدا کیا کہ مرکزی دارالعلوم کے لیے زمین کی جو پیش کش کی تھی اسے خود اپنے ہاتھوں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کی زیر سرپرستی قائم کریں، اجلاس عام نوگڈھ کے نتیجے میں پوری جماعت میں نیا ولولہ پیدا ہو گیا تھا، آخر اعیان بنارس وعمائدین (انڈیا اہل حدیث) کانفرنس کی مشترکہ کوششوں سے مرکزی دارالعلوم قائم ہو گیا''۔ (ص ۲۵۹)

یہ ہے نوگڈھ کانفرنس اور مرکزی دارالعلوم بنارس کے تعلق کی واقعی نوعیت وحقیقت، نہ کہ وہ جس کا اوپر قریب الذکر اقتباسات میں بلا دلیل دعوی کیا گیا ہے۔ مرکزی دارالعلوم، بنارس میں قائم کرنے کا فیصلہ تو آزادی سے بہت پہلے فروری ۱۹۲۷ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے چودھویں کل ہند اجلاس عام منعقدہ مئوناتھ بھنجن ہی میں کیا گیا تھا، چنانچہ اجلاس عام کی پاس شدہ قراردادوں میں گیارہویں قرارداد یہ تھی:

''چونکہ آج کل اہل حدیث کا کوئی ایسا مدرسہ نہیں جس کو مرکزیت کی حیثیت حاصل ہو.....اس لیے یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ جلد اس صوبہ یوپی کے شہر ''بنارس'' میں ایک مدرسہ قائم کیا جائے جو اس کمی کو باحسن طریق پوری کرے''۔ (اخبار اہلحدیث (امرتسر) شمارہ ۴/ مارچ ۱۹۲۷ء مطابق ۲۹/ شعبان ۱۳۴۵ھ)

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ راز گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

کتاب مستطاب ''علامہ عبدالجلیل رحمانی حیات وخدمات'' نہ صرف مولانا رحمانی کی سیرت وسوانح ہے بلکہ جماعت وجمعیۃ کی بھی تاریخ ہے، محترم ڈاکٹر جمیل احمد صاحب علیگ نے اس کی جمع وترتیب اور اشاعت کر کے ایک بڑے خلا کو پُر کرنے کی کامیاب سعی جمیل فرمائی ہے، اس پر آپ پوری جماعت کے شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں۔ فجزاہ اللہ جزاء موفورا وجعل سعیہ مشکورا۔

مذکورہ بالا سطور درحقیقت اسی کتاب کی رہین منت ہیں جو اس کے مطالعہ کے بعد نوک قلم پر آ گئی ہیں۔ ☆

اسلامی معاشرت

صالح معاشرہ کی تعمیر میں تعلیم یافتہ خواتین کا کردار

مولانا محمد ایوب سلفی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

دور حاضر میں بڑے شد و مد کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ اسلام کے اندر عورتوں کی معاشرتی حیثیت اور ان کے حقوق کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں عورت معاشرہ اور قوم کی ترقی سے بے تعلق ہو کر رہ گئی ہے۔ دراصل اس قسم کا پروپیگنڈہ وہ لوگ کرتے ہیں جو عورت کی ترقی کو مغرب میں مرد و عورت کے آزادانہ اختلاط، تلاش معاش کے لیے بے انتہا محنت و کوشش، فحاشی و بے راہ روی، بے روک ٹوک مردوں کے ساتھ آفسوں، کلبوں اور کارخانوں میں کام کرنے اور سماجی و تنظیمی ہر قسم کے اعمال و حرکات میں حصہ لینے کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

آج یہ حقیقت اپنے آپ کو منوا چکی ہے کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے عورت پر عظیم احسان کیا ہے، اس ''زندہ گاڑی جانے والی'' عورت کو بے پناہ حقوق سے نوازا ہے اور اسے عورت رکھ کر، اس کی فطری حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے اس پر ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا ہے۔

زیر نظر تحریر میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ دینی تعلیم عورتوں کی فطری ضرورت ہے اور یہ ان کی ترقی میں کسی بھی صورت سے رکاوٹ نہیں بلکہ یہی ان کی کامیابی کا پہلا زینہ ہے

تمدنی و معاشرتی زندگی میں عورت کی اہمیت کسی بھی صاحب عقل و بصیرت پر مخفی نہیں۔ اس حقیقت سے ہر خاص و عام واقف ہے کہ ایک صالح اور پرامن معاشرہ کی تشکیل میں عورت کا نہایت ہی اہم کردار رہا ہے، عورت اگر صحیح فکر اور سلیم طبیعت کی حامل ہو تو پورے معاشرہ کو صحیح رخ پر لاسکتی ہے اور اس کی کوششوں سے پرامن و پرسکون ماحول وجود میں آسکتا ہے۔ مرد اگر بگڑ جائے تو صرف ایک مرد بگڑتا ہے اور اگر ایک عورت بگڑ جائے تو پورا معاشرہ تباہ و برباد ہوسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عورت کو بڑی قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اس پر امت کی بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ ڈالا ہے اور اسے نسل انسانی کی مربیہ قرار دیا ہے۔ عورت کا سب سے بلند مقام ماں کی حیثیت سے ہے اور ماں ہی دراصل نسل انسانی کی حقیقی نگہبان و محافظ ہے، اگر ماں اعلی سیرت و کردار کی مالک ہو اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو صحیح ڈھنگ سے ادا کرنے کا شعور رکھتی ہو تو اپنے بچوں کی صحیح تربیت کر کے اعلی معیار کا صالح معاشرہ وجود میں لاسکتی ہے۔

عربی شاعر کا قول ہے:

الأم مدرسة إذا أعددتها أعددت شعبا طيب الأعراق

ماں کی حیثیت مدرسہ کی ہے، اگر اسے بنالو تو ایک اچھی اور صالح قوم تیار ہو جائے گی۔

علامہ اقبال نے اپنی ماں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

دفتر ہستی میں زریں ورق تھی تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا

عورت کی اسی اہمیت کے پیش نظر مذہب اسلام نے اس کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام کیا ہے، اور اس کے لیے ایسا طرز عمل تجویز کیا ہے کہ جس کے ذریعہ وہ انسانی معاشرہ کے لیے رحمت بن سکتی ہے۔ اور اسے ان راہوں سے دور رکھا جن پر چل کر وہ معاشرتی آفت کا روپ دھار لیتی ہے، جہاں دوسرے معاشروں نے عورت کو تعلیم کے حق سے محروم رکھا ہے اور اسے برائیوں کا منبع اور گناہوں کا سرچشمہ قرار دیا ہے وہیں اسلام نے عورت کو شخصی، سیاسی، تمدنی، معاشرتی، تعلیمی اور معاشی ہر قسم کے حقوق سے نوازا ہے، اسے معاشرہ کا نصف حصہ اور انسانیت کی مربیہ قرار دیا ہے۔

نبی ﷺ نے جب اسلام کی دعوت دی تو مردوں کے ساتھ عورتوں نے بھی آگے بڑھ کر اسے قبول کیا، بلکہ سب سے پہلے آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ پر ایمان لاکر مردوں اور عورتوں سب پر سبقت لے گئیں، بے شمار عورتوں نے اسلام کی خاطر تکلیفیں اٹھائیں، گھر بار چھوڑا، عزیزوں اور رشتہ داروں سے کٹ گئیں، اور دین اسلام پر اپنی شیدائیت وفدائیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔

چونکہ دینی و شرعی احکام مرد اور عورت دونوں پر واجب ہیں، اس میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی تفریق نہیں، دونوں برابر کے مکلّف اور پابند ہیں، اللہ کے یہاں دونوں جواب دہ ہیں، لہذا عورتوں کے لیے بھی حصول علم اسی طرح فرض ہے جس طرح مردوں کے لیے فرض ہے، نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث: "طلب العلم فريضة على كل مسلم" (۱) کا حکم مرد اور عورت دونوں کے لیے عام ہے، نبی کریم ﷺ سے دین و اخلاق کی تعلیم جس طرح مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح عورتیں بھی حاصل کرتی تھیں، آپ ﷺ نے ان کے لیے اوقات متعین فرما دیئے تھے، جن میں وہ آپ سے علم حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتی تھیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت نے آکر کہا کہ آپ کے فرامین کو سننے کا موقع صرف مردوں کو ملتا ہے، آپ ہم عورتوں کے لیے بھی کوئی دن مقرر فرما دیجئے، آپ ﷺ نے اس عورت

(۱) ابن ماجہ، کتاب السنۃ (۲۲۴) علامہ البانی نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے، دیکھئے: صحیح سنن ابن ماجہ (۱۸۴۱)

کے سوال کے بعد دن اور جگہ متعین فرما کر عورتوں کو بھی تعلیم دی اور انہیں صدقات وخیرات کا حکم دیا۔(۱)

اسی طرح سے نبی کریم ﷺ نے دین کے احکام اور وعظ ونصیحت سننے کے لیے تمام عورتوں کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر عیدگاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا حتی کہ حائضہ عورتوں کو بھی عیدگاہ لے جانے کی ترغیب دی اور کہا کہ وہ نماز میں شریک نہ ہوں لیکن خطبہ اور وعظ ونصیحت سنیں۔(۲)

آنحضور ﷺ نے گھر کی خادمہ اور لونڈی تک کو علم وادب سکھانے کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس شخص کے پاس لونڈی ہو وہ اس کو بہترین تعلیم دے اور عمدہ تہذیب وآداب سکھائے پھر اس کو آزاد کر کے خود ہی اس سے شادی کرے تو ایسے شخص کو دوہرا اجر ملے گا۔ایک اس کو اعلی تعلیم وتربیت دینے اور تہذیب وآداب سکھانے کا اور دوسرا اس کو آزاد کر کے اس سے شادی کرنے کا۔(۳)

ایک اور حدیث کے اندر اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"من عال ثلاث بنات فأدبهن وزوجهن وأحسن إليهن فله الجنة" (۴)

جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، انہیں اچھی تعلیم وتربیت سکھائی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا، پھر ان کا نکاح کر دیا تو اس کے لیے جنت ہے۔

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں باہر سے جو وفود آیا کرتے تھے، آپ ان سے فرماتے:

"ارجعوا إلى أهليكم فأقيموا فيهم وعلموهم ومروهم" ۔ (۵)

تم اپنے گھروں کو واپس جاؤ، اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہو، ان کو دین کی تعلیم دو اور انہیں دینی احکام پر عمل کرنے کا حکم دو۔

علماء اسلام نے تعدد ازدواج کی حکمت ومصلحت پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ امہات المؤمنین کے ذریعہ مسلم عورتوں کو دینی تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا سنہری موقع فراہم ہوا، امت کے افراد کو دینی احکام ومسائل کی تعلیم دینے میں امہات المؤمنین کا اہم رول رہا ہے، دینی احکام سے متعلق بے شمار احادیث نبویہ ان سے مروی ہیں، آنحضور ﷺ کی وفات کے بعد بڑے بڑے صحابہ کرام مسائل دریافت کرنے کے لیے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

نبی کریم ﷺ کی خواتین کی تعلیم وتربیت پر بھرپور توجہ کی وجہ سے ان کے اندر عمومی علم کا ذوق وشوق پیدا ہو گیا تھا، ویسے تو تمام صحابیات نے علوم نبویہ کے چشمہ صافی سے اپنی علمی پیاس بجھائیں اور مقدور بھر علوم دینیہ کے حصول میں مشغول

(۱) بخاری، کتاب العلم (۱۰۱) (۲) بخاری، کتاب الحیض (۳۲۴) ومسلم کتاب العیدین (۸۹۰/۱۰)

(۳) بخاری، کتاب النکاح (۵۰۸۳) (۴) ابوداؤد، کتاب الأدب (۵۱۴۷)

(۵) بخاری، کتاب الاذان (۶۲۸)

رہیں، مگر میدان علم وفضل میں ازواج مطہرات کا پایہ بہت بلند ہے کیونکہ انہوں نے براہ راست شمع نبوت سے کسب فیض کیا، انہوں نے آنحضور ﷺ کو جو کچھ بھی کرتے ہوئے دیکھا یا کہتے ہوئے سنا اس پر بھرپور توجہ دی، اس کو اپنی عملی زندگی میں ڈھالا، اسے محفوظ کرنے کی کوشش کی اور اپنی استطاعت بھر اسے پھیلایا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام ازواج مطہرات سے احادیث نبویہ منقول ہیں اور پرامن اور صالح اسلامی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل میں ان کے اہم کارنامے تاریخ کی کتابوں میں جلی اور سنہرے حروف سے لکھے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ازواج مطہرات میں سے صرف چند کا تذکرہ بطور مثال کیا جارہا ہے، جنہوں نے علم وعمل اور صالح معاشرہ کی تشکیل میں اہم اور مثالی کارنامے انجام دیئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا:

آپ علوم کتاب وسنت کی ماہر تھیں، علم وفضل میں آپ کا رتبہ بہت بلند تھا، عورتوں اور مردوں میں صرف حضرت ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ سب سے زیادہ آپ ہی سے احادیث نبویہ مروی ہیں، آپ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد تاحیات درس وتدریس میں منہمک رہیں، اجلۂ صحابہ کرام آپ سے فتوے پوچھا کرتے تھے، دین کا غالب حصہ خصوصا خانگی ومعاشرتی مسائل امت تک انہیں کے واسطے سے پہنچے ہیں، آپ کے شاگرد اور بھانجہ عروہ بن زبیر آپ کے علم وفضل کا یوں اعتراف کرتے ہیں:

"لقد صحبت عائشة فما رأيت أحدا قط كان أعلم بآية أنزلت ولا بفريضة ولا بسنة ولا يشعر ولا أروى له، ولا بيوم من أيام العرب ولا بنسب ولا بكذا وبكذا ولا بقضاء ولا طب منها"۔(۱)

میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحبت میں رہا، میں ان سے زیادہ آیات کی شان نزول، فرائض سنت، شعر وادب عربوں کی جنگ اور قبائل کے انساب وغیرہ وغیرہ اور مقدمات کے فیصلے حتی کہ طب کا جاننے والا کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

آپ سے کل (۲۲۱۰) احادیث نبویہ مروی ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

امہات المؤمنین میں حضرت عائشہ کے بعد علم وفضل میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا سب پر فائق تھیں، اور حضرت عائشہ کے بعد سب سے زیادہ آپ ہی سے احادیث نبویہ مروی ہیں، انہوں نے اپنے گھر میں درس قرآن کا خصوصی اہتمام کر رکھا تھا، جس میں قرآن اور تجوید وقرأت کی تعلیم دیتی تھیں۔ امام ذہبی آپ کے سلسلے میں فرماتے ہیں: "كانت تعد من فقهاء الصحابيات" (۲) آپ کا شمار فقہاء صحابیات میں ہوتا تھا۔ آپ سے کل (۳۷۸) احادیث مروی ہیں۔

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲/۱۸۳۔

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۲/۲۰۳۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا:

آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، آپ حافظہ قرآن تھیں، علم وفضل کے بلند مرتبے پر فائز تھیں، نبی کریم ﷺ سے بے تکلفانہ انداز میں مسائل دریافت کرتی تھیں، آپ سے کل (۶۰) احادیث مروی ہیں، ان میں سے چار حدیثیں بخاری ومسلم دونوں میں ہیں اور چھ حدیثیں صرف مسلم میں آئی ہیں۔(۳)

ان کے علاوہ بھی دیگر امہات المؤمنین اور صحابیات نے علم وفضل میں بلند مقام حاصل کیا تھا، زینب بنت ابی سلمہ، فاطمہ بنت قیس، حضرت ام درداء، حضرت اسماء بنت ابی بکر، اسماء بنت عمیس، شفاء بنت عبداللہ اور ام سلیم وغیرہن کا نام خصوصی طور سے لیا جاسکتا ہے۔ صحابیات کے علاوہ تابعیات پھر بعد کے ادوار میں دیگر خواتین نے بھی علوم قرآن وسنت، فقہ، ادب اور دیگر علوم وفنون میں مہارت حاصل کر کے سماج ومعاشرہ کی اصلاح وتعمیر میں اہم رول ادا کیا۔

درسگاہ نبوی کی تربیت یافتہ خواتین نے جس طرح علم وعمل کے میدان میں اہم کارنامہ انجام دیا ہے اسی طرح معاشرہ کی فلاح وبہبود کے لیے عملی محاذ پر بھی ان کے کارنامے بہت اہم ہیں، میدان جنگ میں جب بھی ہنگامی حالات پیش آئے عورتوں نے بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیا، مردوں کا ہر ممکن تعاون کیا، اپنے بچوں اور شوہروں کو میدان جنگ میں جا کر جان کی بازی لگا دینے کی ترغیب دی، فوجیوں کے لیے لباس اور خوراک کا انتظام کیا، کتب سیر وتواریخ میں متعدد صحابیات کا نام آتا ہے جنہوں نے براہ راست نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگوں میں شرکت کیں، ام عطیہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئیں، حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے جنگ احد کے اندر آنحضرت ﷺ کی مدافعت میں مردوں کی طرح بہادرانہ غیرت دکھائی۔ حضرت اسماء بنت یزید نے جنگ یرموک میں نو آدمیوں کو موت کی گھاٹ اتار دیا۔ غرضیکہ اسلامی خواتین نے صالح معاشرہ کی تشکیل میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیا ہے جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ قاصر ہے۔

مسلمان عورت کا دائرۂ عمل:

سماج میں جہاں بہت سارے مسائل قابل غور ہیں وہاں یہ مسئلہ بھی کافی توجہ طلب ہے کہ عورت کا دائرۂ عمل کہاں تک وسیع ہے، یہ صرف گھر تک محدود ہے یا بیرون خانہ بھی اسے کام کرنا ہے، چونکہ اسلامی شریعت کے اندر عورت کو گھر کی ملکہ اور اپنے بچوں کی نگراں قرار دیا گیا ہے، کسب معاش اور خارج کی ساری ذمہ داریاں اس کے شوہر کے سر ڈالی گئیں ہیں: "المرأة راعية على بيت زوجها وهي مسئولة" (۱) عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور اس سلسلہ میں اس سے سوال کیا جائے گا۔ لہذا عورت کا اصل دائرۂ عمل یہ ہے کہ وہ گھر کے اندر ایک نیک اور صالحہ بیوی، بہترین مربیہ اور گھر کی عقلمند اور

(۳) دیکھئے: سیر أعلام النبلاء: ۲/۲۲۹، ۲۳۰۔

(۱) بخاری، کتاب الجمعۃ (۸۹۳)، ومسلم کتاب الإمارۃ (۱۸۲۹/۲۰)

باشعور مالکن بن کر زندگی گذارے، تدبیر منزل سے متعلق جو بھی ذمہ داریاں اس کے سر ہوں وہ انہیں بحسن وخوبی انجام دے۔

آج یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ عورت کا گھر میں رہ کر اپنے فرائض کا انجام دینا اور بچوں کی صحیح تربیت کرنا سماج اور معاشرہ کی کوئی قابل ذکر خدمت نہیں بلکہ عورتوں کو مغرب کی نقالی کرتے ہوئے مردوں کے دوش بدوش چلنے، مردوں کی طرح آفسوں میں ملازمت کرنے اور کلب جوائن کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا کے اندر کسی بھی شعبہ کی ساری ذمہ داریاں ایک ہی شخص کے سر نہیں ڈالی جاتیں بلکہ فرائض اور ذمہ داریاں افراد کے ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کے اعتبار سے تقسیم کی جاتی ہیں، تب ہی کوئی کام بحسن وخوبی انجام پاتا ہے، ہو بہو یہی حال مرد اور عورت کا ہے، قدرت نے دنیاوی زندگی میں ہر قسم کا بوجھ صرف مردوں یا صرف عورتوں پر نہیں ڈالا ہے، بلکہ انسانی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل کے لیے دونوں اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق ذمہ دار ہیں اور دونوں کے حسن تعاون ہی سے معاشرہ ترقی کرسکتا ہے۔

مذہب اسلام کے اندر عورتوں کی ذہنی وجسمانی اور فطری صلاحیتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں مخصوص قسم کی ذمہ داریاں دی گئی ہیں جنہیں مرد کسی بھی صورت سے بحسن وخوبی انجام نہیں دے سکتے۔ لہذا اگر عورتیں دینی تعلیم حاصل کر کے اپنے سر ڈالی گئی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیں اور اس کے اندر ان سے کسی قسم کی کوتاہی سرزد نہ ہو تو یہی ان کی سماج اور معاشرہ کی بہترین خدمت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس کے بغیر معاشرہ میں امن کی فضا کبھی بھی قائم نہیں ہوسکتی۔ اہل مغرب اپنی عورتوں کو آزاد کر کے اور اپنے ساتھ آفسوں اور کلبوں میں بیٹھا کر اپنے ہی سماج کی ہلاکت وبربادی اور بدامنی کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ دینی تعلیم ہی دراصل عورتوں کی ترقی کا بنیادی ذریعہ ہے اور اس کے بغیر کبھی بھی صالح اور پرامن معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ ہاں اس دور کو علم وہنر اور سائنس وٹکنالوجی کا دور تصور کیا جاتا ہے۔ لہذا زمانے کے تقاضے کے مطابق ضرورت ہے کہ مسلم لڑکیوں کو دینی علوم کے ساتھ عصری علوم بھی پڑھائے جائیں اور اس کی خاطر دینی مدارس کی طرح عصری درسگاہیں کھولی جائیں تاکہ شرعی حدود کے اندر رہ کر سائنس، طب، انجینئرنگ اور دیگر عصری علوم کی تحصیل ان کے لیے ممکن ہوسکے۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں خواتین کے تعلق سے تعلیمی وتربیتی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق دے۔ (آمین)

☆☆☆

اسلامی آداب

آداب ضیافت

ابوسفیان

آداب ادب کی جمع ہے جو سلیقہ، طریقہ، اکرام واحترام کے مجموعے کا نام ہے، اللہ رب العالمین نے بے شمار مخلوقات کو عدم سے وجود بخشا اور ان سب کو اپنے اپنے طریقے سے زندگی کی نیا کو کھینے کا سلیقہ عطا فرمایا، لیکن ان سب مخلوقات میں انسان کو امتیازی شان عطا کیا، اسے باوقار معاشرتی ڈھانچہ دیا اور ایک دوسرے سے ملاقات کے موقع پر نہایت سلیقے سے ادب بجا لانے کا حکم دیا۔ جو شخص جتنی عزت واحترام کے لائق ہو اس کی اس کے مرتبے کے لحاظ سے عزت وتوقیر کرنے کی تاکید کی۔

اس باب میں سب سے زیادہ عزت وتوقیر کے مستحق والدین ہیں، پھر چچا چاچی، بھائی بہن، خالہ، پھوپھی، دادا، دادی وغیرہ۔ لہذا جب بھی ان میں سے کوئی فرد آپ کے غریب خانہ میں تشریف لے آئے تو اس کے مقام اور اپنی بساط کے مطابق ضیافت کا انتظام کرنا چاہیے۔ بڑوں کی عزت وتکریم کرنا اور چھوٹوں پر رأفت وشفقت کا ہاتھ رکھنا حسن ادب اور اسلامی تعلیم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک بزرگ نبی سے ملنے کی خاطر تشریف لے آئے تو لوگوں نے ان کے لیے کشادگی پیدا کرنے میں دیر کردی، چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان جاری ہوا: "لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا" وہ ہم میں سے نہیں جو چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کی توقیر نہ کرے۔ (ترمذی: ۱۹۱۹، صححہ الألبانی) اگر آپ اور ہم دوسروں کی تعظیم وتکریم کریں گے تو دوسرے بھی ہماری تکریم وتعظیم کریں گے، ورنہ یہ مثل با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب! جس کو علامہ عبدالسلام بستوی نے تحریر فرمایا ہے ہم پر بالکل صادق آئے گی۔

ضیافت ومہمان نوازی سے مومن کی سرفرازی اور اہل ایمان کی دل فرازی ہوتی ہے، اس سے ایک دوسرے میں محبت والفت قائم رہتی اور وسعت قلبی ورفعت شان ہوتی ہے۔ لہذا جو شخص اللہ ورسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرے۔ اس کی ترجمانی رسول کی زبانی "من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ" (بخاری، الرقاق) سے ہوتی ہے۔

مہمانوں کی عزت وتکریم کا انداز نرالہ اور دل کش ہونا چاہیے، تاکہ مہمان گرامی کا دل بھر آئے اور بے اختیار شکریے کے کلمات ان کے لبوں سے ادا ہوں۔ آج مالک دوجہاں نے اپنے بندوں کو زمانۂ قدیم کی بہ نسبت خوشحال وصاحب مال بنایا ہے۔ لہذا مہمان نوازی مہمان کی حیثیت اور مہمان نواز کی بساط کے مطابق ہو، اللہ تعالی نے (سورۃ الطلاق: ۷) میں ارشاد فرمایا: ﴿لینفق ذو سعة من سعته، ومن قدر علیه رزقه فلینفق مما آتاه الله" چاہیے کہ وسعت والے بقدر

اپنی وسعت کے خرچ کرے اور جس پر اس کی روزی تنگ کر دی گئی ہو اس کو چاہیے کہ اللہ تعالی نے جتنا عطا کیا ہے اتنا ہی خرچ کرے۔

اور ہاں! جب آپ میں سے کسی کے گھر میں کوئی مہمان تشریف لے آئے تو ان سے ہرگز یہ نہ پوچھا جائے کہ آپ کھانے میں کیا پسند کریں گے، کیونکہ اس سے مہمان تکلف کرنے لگتا ہے۔ مہمان نوازی کی ادا پر کشش وخوش نما ہو، تاکہ مہمان کے دل میں شکوہ وشکایت کی راہ ہموار نہ ہو، مہمان نوازی کی ایک بہترین مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے آخری دور میں نظر آتی ہے، جب ان کے گھر میں فرشتے مہمان بن کر نازل ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بے حد عزت وتکریم کی اور ان کی مہمان نوازی کے لیے ایک بھنا ہوا بچھڑا پیش کر دیا، اور یہ سب آناً فاناً کیا۔ سورہ ہود (۶۹) میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿ولقد جاء ت رسلنا إبراهيم بالبشرى، قالوا سلاما، قال سلام فما لبث ان جاء بعجل حنيذ﴾ اور ہمارے پیامبر (فرشتے) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس خوش خبری لے کر حاضر ہوئے اور سلام کیا تو حضرت ابراہیم نے بھی سلام کا جواب دیا، اور فوراً (مہمان نوازی کے لیے) بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں مولانا محمد جوناگڑھی نے اپنی تفسیر صفحہ ۶۲۱ میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے مہمان نواز تھے، وہ یہ نہیں سمجھ پائے کہ یہ فرشتے ہیں جو انسانی صورت میں آئے ہیں اور کھانے پینے سے معذور ہیں، بلکہ انہوں نے انہیں مہمان سمجھا اور فوراً مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے بھنا ہوا بچھڑا لاکر ان کی خدمت میں پیش کر دیا، نیز اس سے یہ معلوم ہوا کہ مہمان سے پوچھنے کی ضرورت نہیں بلکہ جو موجود ہو حاضر خدمت کر دیا جائے''۔ سورہ ذاریات میں اس واقعہ کو ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے: ﴿فراغ إلى أهله فجاء بعجل سمين، فقربه إليهم قال ألا تأكلون﴾ (۲۶-۲۷) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام چپکے سے جلدی جلدی اپنے گھر والوں کی طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑے (کا گوشت) پیش کر دیا۔ (دیکھا کہ کھا نہیں رہے) تو گویا ہوئے: ألا تأكلون؟ آپ لوگ کھا کیوں نہیں رہے ہیں؟

مذکورہ آیتوں کو پیش کرنے کا مقصود ومطلوب یہ ہے کہ مہمان سے اس کی خواہش نہ پوچھی جائے بلکہ اپنے اعتبار سے جو مناسب اور اچھا معلوم ہو، یا پہلے سے مہمان کے مرغوب کھانے کا علم ہو تو اسی مناسبت سے اس کی خاطر وتواضع کی جائے۔

ضیافت کے باب میں جب ہم تعامل صحابہ پر نظر دوڑاتے ہیں تو ان کا ایثار دیکھتے ہی بنتا ہے، وہ سدا اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیا کرتے تھے، گرچہ خود حاجت مند ہو، قرآن کریم میں اللہ رب العالمین نے اس کا نقشہ یوں کھینچا: ﴿ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة﴾ وہ اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں گرچہ خود کو فاقہ کرنا پڑے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے "ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة" کے تحت کتاب مناقب الانصار میں ایک حدیث ذکر کیا ہے، جس سے انصاری صحابی کی منقبت کے ساتھ ساتھ ضیافت کے آداب بھی معلوم ہوتے

ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ان رجلا أتى النبى ﷺ، فبعث إلى نسائه، فقلن: ما معنا إلا الماء" ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اس کو اپنی بیویوں کے پاس بھیجا، جواب آیا، ہمارے پاس تو سوائے پانی کے کچھ بھی نہیں ہے! چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من يضم أو يضيف هذا" اس کی مہمان نوازی کون کرے گا؟ اس پر ایک انصاری نے کھڑے ہو کر عرض کیا میں یا رسول اللہ! پس وہ اسے لے کر اپنی بیوی کے پاس چلے اور کہا: "أكرمي ضيف رسول الله" رسول کے مہمان گرامی کی اچھی طرح تکریم کرو، بیوی نے کہا: "ما عندنا إلا قوت صبياني" ہمارے پاس تو صرف اپنے بچوں کی خوراک بھر کھانا ہے، انصاری نے کہا: "هيء طعامك وأصحبي سراجك" تو ایسا کرو کہ کھانا لگاؤ اور چراغ جلالو۔ "ونومي صبيانك إذا أرادوا عشاء" اور جب بچے کھانا مانگیں تو ان کو سلا دینا، چنانچہ انہوں نے کھانا لگایا اور چراغ جلایا اور بچوں کو سلا دیا، پھر ایسی ہیئت بنا کر کھڑی ہوگئی گویا کہ چراغ درست کر رہی ہو، پھر چراغ کو (دھیرے سے) بجھا دیا، پھر میاں بیوی ایسا ظاہر کرنے لگے گویا کہ دونوں کھا رہے ہیں، لیکن درحقیقت دونوں نے خالی پیٹ رات گزار دی، جب صبح نمودار ہوئی تو انصاری صحابی رسول کے پاس پہنچے، رسول نے فرمایا: "ضحك الله الليلة أو عجب من فعالكما" آج رات اللہ تعالی تم دونوں میاں بیوی کے عمل سے ہنس پڑا یا خوش ہوا، پھر اللہ نے یہ آیت ﴿ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة ومن يوق شح نفسه فأولئك هم المفلحون﴾ نازل فرمائی۔ (بخاری: ۳۷۹۸)

ضیافت تین دنوں تک ہے، اور اس سے زیادہ صدقہ ہے۔ لہذا مہمان کے لیے مناسب نہیں کہ مزید اپنے بھائی کو تنگی میں ڈالے، نبی ﷺ نے فرمایا: "الضيافة ثلاثة أيام فما بعد ذلك فهو صدقة ولا يحل له أن يثوي عنده حتى يحرجه" (بخاری: ۶۱۳۵: الأدب) یعنی ضیافت تین دنوں تک ہے، اس کے بعد صدقہ ہے اور کسی مہمان کے لیے یہ مناسب وحلال نہیں کہ اس کے پاس اتنا ٹھہرے کہ صاحب بیت کو تنگی میں ڈال دے۔ فتح الباری (۱۰/۵۳۳) میں ہے ابو عبیدہ نے کہا: پہلا دن سخاوت کا معاملہ کیا جائے گا اور دوسرے تیسرے دن جو بھی میسر ہو سکے اپنی عادت کے مطابق وہی پیش کیا جائے گا۔

کوئی شخص کسی کے یہاں مہمان بن کر نازل ہو، اور صاحب بیت اس کی ضیافت بجا نہ لائے تو مہمان کو اختیار حاصل ہے کہ بحسب ضیافت اس سے لے لے، کیوں کہ بخاری کی روایت میں حضرت عامر فرماتے ہیں: ہم لوگوں نے نبی سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آپ ہم لوگوں کو بھیجتے ہیں اور ہم لوگ جن لوگوں کے پاس جاتے ہیں وہ ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے، آپ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "ان نزلتم بقوم فأمروا لكم بما ينبغي للضيف فاقبلوا، فإن لم يفعلوا فخذوهم حق الضيف الذي ينبغي لهم" (بخاری: ۶۱۳۷) اگر کسی قوم کے یہاں جاؤ اور وہ مناسب ضیافت قبول کرے تو ٹھیک ہے ورنہ ضیافت کے بقدر ان سے لے لو"۔

مہمانوں کے سامنے نازیبا حرکت اور کراہیت والے افعال واعمال سے باز رہنا چاہیے، اور اگر مہمان اس بات کی خواہش ظاہر کرے کہ وہ میزبان کے ساتھ کھانا تناول کرے گا تو میزبان کو اس کی یہ خواہش رد نہیں کرنی چاہیے، بلکہ کھانا کھانے میں اس کا ساتھ دے کر اس کا دل رکھا جائے اور ٹھیس نہ پہنچایا جائے، بخاری کی ایک طویل حدیث میں اس کا بیان ہے، کہ حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے کہا: اپنے مہمانوں کی دیکھ بھال اور خاطر وتواضع کرو، میں رسول کے پاس جارہا ہوں، میری واپسی سے قبل ہی مہمانوں کو کھانا کھلا دینا، چنانچہ عبدالرحمٰن نے مہمانوں کی خدمت میں کھانا پیش کرتے ہوئے کہا: "اطعموا" آپ لوگ کھانا تناول فرمالیں، مہمانوں نے کہا: ہمارے میزبان صاحب کہاں ہیں؟ عبدالرحمٰن نے کہا: آپ لوگ کھانے سے فارغ ہو لیجئے، مہمانوں نے کہا: ہم لوگ میزبان کی آمد کے بعد ہی کھائیں گے، عبدالرحمٰن نے کہا: "اقبلوا عنا قراكم فانه إن جاء ولم تطعموا لنلقينّ منه" آپ لوگ کھانا کھا لیجئے ورنہ ہمیں ابو سے کھری کھوٹی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اتنی سفارش کے باوجود مہمانوں نے کھانے سے انکار کر دیا، چنانچہ عبدالرحمٰن نے کہا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ ابو کی جانب سے مجھ پر کیا ٹوٹنے والا ہے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں اپنے ابو کی آہٹ پا کر گوشہ نشین ہو گیا، ابو نے کہا: گھر والو! تم لوگوں نے کیا تیار کیا ہے؟ جواب مل گیا تو پکار اٹھے، عبدالرحمٰن! میں چپ رہا، پھر آواز دی، عبدالرحمٰن! میں اس بار بھی خاموش رہا، اب کی بار غصے سے بھرا کر کہا: اے چٹے! میں قسم دلا کر کہتا ہوں اگر تو میری آواز سن رہا ہے تو باہر آ، میں باہر نکل کر آیا اور کہا: مہمانوں سے پوچھئے، مہمانان گرامی نے بھی میری آواز میں آواز ملا دی، سچ ہے، وہ ہمارے پاس کھانا لے کر آئے تھے، ابو نے کہا: میرا آپ لوگوں نے انتظار کیا، اللہ کی قسم! میں آج رات نہیں کھاؤں گا، اس پر مہمانوں نے بھی قسم کھا کر کہا: ہم لوگ بھی نہیں کھائیں گے جب تک آپ ساتھ نہ دیں، ابو بڑبڑائے، میں نے آج کی طرح برا نہیں دیکھا ہے، تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کھاتے نہیں، عبدالرحمٰن! کھانا حاضر کرو، کھانا حاضر کیا گیا تو ابو نے کھانے پر ہاتھ رکھا اور شروعات بسم اللہ الاولی للشیطان سے کی، یعنی اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، پہلے جو نہ کھانے کی قسم کھائی تھی تو وہ شیطان کی طرف سے تھا۔ پھر ابو اور مہمانان گرامی نے ایک ساتھ کھانا تناول فرمایا۔ (بخاری: ۶۱۴۰)

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ مہمانوں کے سامنے میزبان غصے کا اظہار نہ کرے اور ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کرے۔ اسی لیے امام بخاری نے "ما يكره من الغضب والجزع عند الضيف" کے نام سے باب باندھا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عام رسم ورواج سے دور ہٹ کر قرآن وسنت کے مطابق ضیافت کے آداب بجالانے کی توفیق بخشے، آمین۔

☆☆☆

عبادات

نماز باجماعت کے فوائد

تحریر: الشیخ ابوعبداللہ مسند بن محسن القحطانی ترجمہ: محبوب عالم سمیع اللہ مدنی

اللہ تعالی کے نزدیک جماعت کی نماز تنہا شخص کی نماز سے زیادہ پاکیزہ ہوتی ہے:

جماعت کی نماز، گرچہ اس جماعت کی تعداد قلیل ہی کیوں نہ ہو، تنہا الگ الگ پڑھی گئی نمازوں کی بہ نسبت زیادہ پاکیزہ ہوتی ہے، اگرچہ یہ تنہا نماز پڑھنے والوں کی تعداد، جماعت والوں سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: (دو ایسے آدمیوں کی نماز کہ ان میں سے ایک اپنے ساتھی کا امام ہو، یعنی باجماعت نماز ادا کریں، اللہ تعالی کے نزدیک چار ایسے آدمیوں کی نماز سے زیادہ پاکیزہ ہے، جنہوں نے انفرادی طور پر یکے بعد دیگرے اپنی نماز پڑھی ہوں، اور چار ایسے آدمیوں کی نماز کہ جن میں سے ایک ان کی امامت کرائے، زیادہ پاکیزہ ہے، ایسے آٹھ آدمیوں کی نماز سے جنہوں نے اپنی نمازیں الگ الگ ادا کی ہوں، اور ایسے آٹھ آدمیوں کی نماز کہ انہیں میں سے ایک ان کا امام ہو اللہ کے نزدیک زیادہ پاکیزہ ہے، ایسے ایک سو (۱۰۰) لوگوں کی نماز سے جنہوں نے اپنی نمازوں کی ادائیگی انفرادی طور سے آگے پیچھے کی ہو۔ (صحیح الجامع: ۳۸۳۶)

اس کے ذریعہ شیطان سے حفاظت ہوتی ہے:

نماز باجماعت مسلمان آدمی کو باذن اللہ اس کے ایسے سخت دشمن یعنی شیطان سے جو اس کو نقصان پہنچانے کے لیے بے چین اور ہمہ وقت اسی کوشش میں لگا رہتا ہے، محفوظ رکھتی ہے اور نمازی پر اس کو غالب ہونے سے روکتی ہے۔

ارشاد نبوی ہے: (کوئی بھی ایسے تین آدمی کسی گاؤں یا صحراء میں نہیں ہوتے جن میں نماز باجماعت کا التزام نہ ہو، مگر شیطان ان پر غالب آجاتا ہے، لہذا تم جماعت کو لازم پکڑو، کیونکہ بھیڑیا ریوڑ سے الگ ہو کر دور چلی جانے والی بکری کا ہی شکار کرتا ہے)۔ (احمد، ابوداود، نسائی وغیرہ، دیکھئے صحیح الجامع: ۵۷۰۱)

باجماعت نماز کے ذریعہ منافقین کی مشابہت سے دوری حاصل ہوتی ہے:

نماز باجماعت اور اس پر مداومت مسلمان آدمی کو منافقوں کی مشابہت سے دور کر دیتی ہے، کیونکہ ان کی صفات میں سے سب سے مشہور صفت نماز باجماعت سے پیچھے رہنا، خصوصا عشاء اور فجر کی نمازیں ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: (منافقوں پر کوئی بھی نماز عشاء اور فجر سے زیادہ بھاری نہیں، حالانکہ اگر انہیں اس کے اندر موجود خیر و برکت کا علم ہو جائے تو ضرور آئیں گے خواہ گھٹنے کے بل چل کر آنا پڑے)۔ (بخاری و مسلم، دیکھئے: اللؤلؤ والمرجان: ۳۸۳)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول گذر چکا ہے کہ: (ہمارا مشاہدہ ہے کہ جماعت سے پیچھے صرف وہ منافق رہتا ہے جس کا نفاق معلوم اور واضح ہو)۔ (دیکھئے: فائدہ نمبر ۹)

نماز باجماعت گناہوں کی مغفرت کے اسباب میں سے ہے:

بے شک نماز باجماعت گناہوں کی مغفرت کے اسباب میں سے ہے، بلکہ اس سے گذرے ہوئے تمام گناہوں کی مغفرت ہوجاتی ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: (جب امام "غير المغضوب عليهم ولا الضالين" کہے تو تم آمین کہو، کیونکہ جس کا آمین کہنا فرشتوں کے آمین کے موافق ہوگیا اس کے سارے پچھلے گناہوں کی مغفرت ہوجائے گی)۔ (بخاری ومسلم، دیکھئے: لولو ومرجان: ۲۳۱)

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ: (جب امام "سمع الله لمن حمده" کہے تو تم "اللهم ربنا ولك الحمد" کہو، اس لیے کہ جس کے اس قول کی فرشتوں کے قول سے موافقت ہوجائے، اس کے سارے گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے)۔ (بخاری ومسلم، دیکھئے: لولو ومرجان: ۲۲۹)

اس کے علاوہ آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے: (جس نے نماز کے لیے وضو کیا اور اچھی طرح سے کیا، پھر نماز فرض کی ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف چل پڑا، پھر لوگوں کے ساتھ، یا جماعت کے ساتھ، یا مسجد کے اندر نماز ادا کی، اللہ تعالی نے اس کے سارے گناہوں کی مغفرت فرمادی)۔ (اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے، مختصر صحیح مسلم: ۱۳۲)

نماز باجماعت رب کی رضا کے حصول کے اسباب میں سے ہے:

ہمارے پروردگار تبارک وتعالی کے صفات علیا میں سے ایک صفت عجب (یعنی کسی چیز کی پسندیدگی سے حاصل ہونے والی خوشی ومسرت) بھی ہے، اور اللہ تعالی کے حصول عجب کے اسباب میں سے نماز باجماعت ہے، اور کسی عمل پر اس کی پسندیدگی وخوشی، اس عمل سے اس کی رضامندی وخوشنودی اور اس کے کرنے والے سے اس کی محبت کی دلیل ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: (اللہ تعالی جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی پر پر مسرت تعجب کا اظہار کرتا ہے)۔ (اسے امام احمد نے روایت کیا ہے، دیکھئے: صحیح الجامع: ۱۸۲۰)

اللہ تعالی کے لیے صفت عجب کے ثبوت پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا بغیر کسی تحریف، تعطیل، تکییف، اور تمثیل کے اللہ تعالی کے لیے اس صفت عجب کا ثابت کرنا واجب ہے، اور وہ صفت عجب حقیقی ہے، جیسے بھی وہ اللہ جل وعلا کی ذات کے لیے لائق وزیبا ہے۔ (دیکھئے: شرح لمعۃ الاعتقاد، تالیف: شیخ ابن عثیمین ؒ ص ۵۹ مکتبہ طبریہ)

جماعت کے لیے مسجد تک چل کر جانے پر اجر عظیم حاصل ہوتا ہے:

جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کے لیے مسلمان آدمی کو چار ونا چار مسجد کے لیے نکلنا ہی پڑتا ہے، اور غالبا اس صورت میں وہ پیدل ہی چل کر جاتا ہے اور پھر مسجد کی طرف اس کے اٹھنے والے قدموں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، اور اس میں اس کے لیے اس قدر اجر عظیم اور خیر کثیر ہے کہ جس کی انتہا اللہ عزوجل ہی کو معلوم ہے۔

چنانچہ مسجد کے لیے نکلنے، نیز نماز باجماعت کی طرف اٹھنے والے قدموں کی کثرت کے فضائل میں بہت ساری صحیح احادیث وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

☆ارشاد نبوی ہے: جس شخص نے وضو کیا اور کامل طریقہ سے کیا، پھر فرض نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد کی طرف چل کر گیا پھر لوگوں کے ساتھ یا جماعت کے ساتھ یا مسجد کے اندر نماز ادا کی اللہ تعالی نے اس کے گناہوں کی مغفرت فرمادی۔(مسلم)

☆اور صحیحین میں ہے کہ: (نماز کے سلسلے میں سب سے بڑا صاحب اجر وہ ہے جو سب سے دور سے پیدل چل کر آتا ہے، پھر اس سے زیادہ اجر والا وہ ہے جو اس سے بھی زیادہ دور سے چل کر آتا ہے، اور وہ شخص جو نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ امام کے ساتھ اس کی ادائیگی کرتا ہے، زیادہ اجر والا ہے بہ نسبت اس شخص کے جو نماز پڑھ کر سو جاتا ہے)۔(دیکھئے: اللؤلؤ والمرجان: ۳۸۸)

☆ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: (کیا میں ایک ایسے عمل کی طرف تمہاری رہنمائی نہ کردوں جس کے باعث اللہ تعالی تمہارے گناہوں کو مٹادے اور درجات بلند فرمائے، ناپسندیدہ حالات مثلاً سخت ترین سردی وغیرہ میں بھی مکمل طریقہ سے وضو کرنا اور مسجد کی طرف اٹھنے والے قدموں کی کثرت، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، کیوں کہ یہی رباط یعنی اپنے آپ کو اللہ کی عبادت کے لیے باندھ لینا ہے)۔(مختصر صحیح مسلم: ۱۳۳)

☆اور اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرمی ہے: (جو شخص صبح وشام مسجد کی طرف جاتا اور آتا ہے، اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں سامان ضیافت تیار کرتا ہے جب بھی وہ جاتا اور آتا ہے)۔(متفق علیہ، دیکھئے: اللؤلؤ والمرجان: ۳۹۰)

☆ آپ ﷺ نے فرمایا: (جس نے اپنے گھر میں پاکی حاصل کی (یعنی وضو کیا) پھر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف چلا، تاکہ اللہ تعالی کے عائد کردہ فرائض میں سے کسی فریضہ کی ادائیگی کرے، تو اس کے قدموں میں سے ایک قدم پر ایک گناہ معاف ہوتا ہے اور دوسرے پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے)۔(مسلم: مختصر صحیح مسلم: ۲۳۴)

☆ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: (تاریکیوں میں مسجدوں کی طرف چل کر بکثرت جانے والوں کو بروز قیامت نور تام کی بشارت دے دو)۔(ابوداود، ترمذی، دیکھئے: صحیح الجامع: ۲۸۲۳)

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (جو کسی فرض نماز کی باجماعت ادائیگی کے لیے چلا، تو وہ حج کے مثل ہے، اور جو کسی نفل کے لیے چلا تو وہ ایک نفل عمرہ کی طرح ہوگا)۔(احمد اور ابوداود، دیکھئے: صحیح الجامع: ۶۵۵۶)

ایک اہم تنبیہ:

یہ اجر عظیم جو مسجد کی طرف چلنے والے کو حاصل ہوتا ہے، یہ مسجد کی طرف صرف جانے ہی میں نہیں ہے بلکہ مسجد سے واپس لوٹنے میں بھی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: (کہ جو شخص کسی جماعت والی مسجد کی طرف گیا تو اس کا ایک قدم ایک گناہ کو مٹاتا اور ایک قدم کے بدلے اس کے لیے ایک نیکی لکھی جاتی، جاتے ہوئے اور لوٹتے ہوئے)۔(احمد وابن حبان نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے، دیکھئے: صحیح الترغیب والترھیب: ۲۹۹)

دوسری تنبیہ:

نماز جمعہ کے لیے چلنے کی فضیلت، جماعت کے لیے چلنے کی فضیلت کی طرح نہیں، بلکہ اس سے زیادہ افضل ہے، چنانچہ نماز جمعہ کے لیے چل کر جانے کی فضیلت کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث پاک وارد ہوئی ہے، جسے امام احمد، امام ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اور ابن خزیمہ وابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور امام حاکم نے اسے روایت کیا اور صحیح کہا ہے کہ

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے بروز جمعہ اپنے اہل کو غسل کرایا اور خود غسل کیا اور صبح سویرے مسجد کے لیے نکل گیا، اور پیدل چل کر گیا، سواری نہیں کی اور امام کے قریب ہو کر غور سے اس کا خطبہ سنا اور کوئی لغو حرکت نہیں کی تو اس کے ہر قدم کے بدلے اس کو ایک سال کے عمل یعنی اس کے صیام وقیام کا اجر ملے گا۔ (دیکھئے: صحیح الترغیب والترھیب: ۶۹۰)

فجر اور عصر کی نمازوں میں فرشتوں کا اجتماع اور ان نمازوں کی جماعت میں حاضر ہونے والوں کے دعاء استغفار کرنا:

نماز فجر اور عصر میں اللہ کے مکرم فرشتے جمع ہوتے ہیں اور اس شخص کے حق میں دعاء استغفار کرتے ہیں جو جماعت کے ساتھ ان نمازوں کی ادائیگی کے لیے حاضر ہوتا ہے، چنانچہ صحیحین میں مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (رات اور دن کے فرشتے یکے بعد دیگرے تمہارے درمیان آتے رہتے ہیں، اور نماز فجر اور عصر میں سب جمع ہو جاتے ہیں، پھر تمہارے درمیان رات گزارنے والے فرشتے اوپر چڑھتے ہیں تو ان کا رب ان سے پوچھتا ہے- حالانکہ وہ ان کے بارے میں بہتر جانتا ہے- کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں نماز کی حالت میں چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس آئے تو بھی وہ نماز کی حالت میں تھے۔ اور ابن خزیمہ کی ایک روایت میں ہے کہ ہم ان کے پاس آئے تو وہ نماز کی حالت میں تھے اور ہم نے ان کو چھوڑا تو بھی وہ نماز کی حالت میں تھے تو- اے اللہ- بروز قیامت ان کی مغفرت فرما۔ (صحیح الترغیب والترھیب: ۴۶۳)

جماعت کے ساتھ نماز آدھی یا پوری رات کے قیام کے برابر ہے:

جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز آدھی رات کے قیام کے مساوی ہے جبکہ نماز فجر باجماعت پوری رات کے قیام کے برابر ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: (جس نے جماعت کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کی تو گویا اس نے آدھی رات کا قیام کیا اور جس نے صبح یعنی فجر کی نماز باجماعت ادا کی گویا اس نے پوری رات کا قیام کیا)۔ (اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے، دیکھئے: مختصر صحیح مسلم: ۳۲۴)

ترمذی اور ابوداود کی ایک روایت میں ہے کہ: (جو عشاء کی نماز کے لیے جماعت میں حاضر ہوا، اس کے لیے آدھی رات کا قیام ہو گیا اور جو عشاء و فجر دونوں نمازوں کے لیے جماعت میں حاضر ہوا تو اس کے لیے پوری ایک رات کا قیام ہو گیا۔ (صحیح الترمذی للالبانی: ۱۸۳)

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے والا اللہ کی حفاظت اور ذمہ میں ہوتا ہے:

نماز باجماعت ان اسباب میں سے ہے جو بندے کے لیے اللہ تعالی کی حفاظت کا باعث ہوتی ہیں، نیز اللہ تعالی کا اپنے ذمہ یعنی اپنے عہد وامان اور ضمانت میں کر لینے کا موجب ہوتی ہیں اور یہ ساری فضیلتیں باجماعت نماز فجر کی ادائیگی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: (جس نے صبح کی نماز ادا کی تو وہ اللہ کی ذمہ میں ہے)۔ (امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے، صحیح مسلم: ۶۵۷)

ابن ماجہ وطبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ: (جس نے نماز فجر جماعت کے ساتھ ادا کی وہ اللہ کے عہد وامان میں آ گیا)۔ (صحیح الترغیب والترھیب: ۴۶۱)

باجماعت نماز ادا کرنے والا بروز قیامت اللہ کے سائے میں ہوگا جس دن اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا:

باجماعت نماز مسلمان کو مساجد سے شدید محبت کرنے والا اور اس کے ساتھ معلق رہنے والا بنا دیتی ہے، اس لیے کہ نمازوں کی

ادائیگی وہیں ہوتی ہے اور ایسا شخص جس کا دل ہمیشہ مسجد سے لگا رہے، ان سات قسم کے لوگوں میں سے ہوگا جس کو اللہ تعالی اس دن اپنے سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ چنانچہ صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (سات قسم کے لوگ ایسے ہوں گے جنہیں اللہ تعالی اس دن اپنے سائے میں رکھے گا کہ جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا (یعنی قیامت کے دن).....انہیں میں سے اس شخص کا بھی ذکر کرتے ہوئے فرمایا.....اور ایک وہ آدمی جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہے)۔(اللؤلؤ والمرجان:۶۱۰)

نماز باجماعت جہنم اور نفاق سے براءت کا ذریعہ ہے:

نماز باجماعت کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس شخص نے چالیس دن جماعت کے ساتھ نماز کی محافظت اس طرح کر لی کہ تکبیرۂ تحریمہ تک فوت نہ ہونے پائے تو اللہ تعالی ایسے شخص کے لیے دو چیزوں سے براءت لکھ دیتا ہے، ایک جہنم سے دوسری نفاق سے۔

چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (جس نے خالص اللہ کے لیے چالیس دن اس طرح جماعت کی پابندی کے ساتھ نماز ادا کی کہ تکبیرۂ تحریمہ تک پاتا رہا، اس کے لیے دو براءتیں لکھ دی گئیں ایک براءت جہنم سے اور دوسری نفاق سے)۔(ترمذی، دیکھئے: صحیح الجامع:۶۳۶۵)

علماء کرام کا کہنا ہے کہ یہ فضیلت صرف مسجد نبوی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام مساجد کے لیے عام ہے۔ اللہ رحمت نازل فرمائے ابراہیم بن یزید تیمی پر کہ وہ فرماتے ہیں: ''جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ وہ تکبیر تحریمہ پانے میں لاپرواہی کرتا ہے تو اس سے اپنا ہاتھ دھو ڈالو'' (یعنی اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دو اور اس سے دوری اختیار کر لو)۔(سیر اعلام النبلاء:۶۰/۵)

سعید بن مسیّب اور اعمش جیسے بعض سلف صالحین کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ لوگ نماز باجماعت کی اس طرح حفاظت اور پابندی کرتے تھے کہ چالیس سال تک کسی نماز میں ان کی تکبیر تحریمہ تک فوت نہ ہوئی۔

باجماعت نماز ادا کرنے والوں پر اللہ کی رحمت، اور فرشتوں کی طرف سے ان کے لیے دعاء رحمت واستغفار:

نماز باجماعت کے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ نماز کی ادائیگی کے لیے صفوں میں کھڑے ہونا، نمازوں پر اللہ کی رحمتیں نازل ہونے اور اس کے مکرم فرشتوں کی طرف سے ان کے لیے دعاء رحمت واستغفار کے اسباب میں سے ہے، بالخصوص اگلی صفوں میں کھڑے ہونے والوں پر۔

رسول اکرم ﷺ کا فرمان اقدس ہے: (اللہ اگلی صف والوں پر اپنی رحمتیں نازل فرماتا ہے اور اس کے فرشتے ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں)۔ اور ایک روایت میں ہے: (پہلی صف پر)، اور ایک روایت میں ہے: (پہلی صفوں پر)۔(صحیح الجامع:۱۸۴۲)

علماء کرام نے (''یصلون'' کا معنی بیان کرتے ہوئے) فرمایا ہے: یعنی فرشتے پہلی صفوں میں رہنے والوں کے لیے دعاء استغفار کرتے ہیں۔ (لیکن یہ معنی، نماز کی نسبت فرشتوں کی طرف کرنے کی صورت میں ہے، البتہ اللہ کی طرف اس کی نسبت کرنے کی صورت میں اس کا معنی: ذکر خیر کرنا یا رحمت نازل کرنا ہوگا، واللہ اعلم)۔

☆☆☆

گوہر نایاب

وقت کی اہمیت

تحریر: علی بن عبدالعزیز الراجحی ترجمہ: عبدالغفار سلفی / بنارس

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں اور درود وسلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ پر، افضل ترین درود اور مکمل ترین سلام۔

ہر مسلمان کو یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالی اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے اور وہ کسی عظمت والی چیز کی ہی قسم کھاتا ہے اور جب بار بار کسی چیز کی قسم کھائے تو یہ اس چیز کی اہمیت کی دلیل ہوتی ہے۔ جب ہم سورہ فجر کی آیت نمبر ۱ میں اللہ تعالی کے فرمان "والفجر" (قسم ہے فجر کی) اور سورۃ اللیل کی آیت نمبر ۱ اور ۲ میں "والليل إذا يغشى والنهار إذا تجلى" (قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے اور قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہو جائے) اور سورۃ الضحی کی آیت نمبر ۱ اور ۲ میں "والضحى والليل إذا سجى" (قسم ہے چاشت کے وقت کی اور قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے) پر غور کرتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ یہ سب وقت کے اجزاء ہیں۔ اور اگر آپ سورۃ العصر کی آیت نمبر ۱ میں اللہ کے فرمان "والعصر" (قسم ہے زمانے کی) پر غور کریں تو آپ یہ پائیں گے کہ اللہ نے سارے زمانے کی قسم کھائی ہے۔ یہ سب کچھ وقت کی اہمیت ہی کی دلیل ہے۔ اس اہمیت کا سبب یہ ہے کہ وقت ہی میں اعمال انجام پاتے ہیں اور یہ اعمال (خواہ اچھے ہوں یا برے) انسان اسی لیے کرتا ہے تاکہ خالق کے پاس اس کا بدلہ ملے۔

معلوم ہوا کہ وقت انتہائی اہم چیز ہے، وقت ہی دراصل وہ زندگی ہے جو اس روئے زمین پر ہم گزارتے ہیں تاکہ اس زندگی میں ہم وہ کام کریں جو ہمیں اس مقصد تک لے جائے جس مقصد کے تحت ہمارے خالق نے ہمیں پیدا کیا ہے۔

وقت ایک نعمت اور امانت ہے جسے بہت سے لوگ ضائع کر دیتے ہیں۔ اپنی ذات کے خلاف اور اپنی قوم کے خلاف بھی ضائع کر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "نعمتان مغبون فيهما كثير من الناس، الصحة والفراغ" (بخاری، کتاب الرقاق، باب ما جاء فی الرقاق: ۱۱/۲۲۹، حدیث نمبر: ۶۴۱۲) "دو نعمتیں ایسی ہیں کہ ان کے بارے میں اکثر لوگ دھوکے کے شکار ہیں، صحت اور فراغت"۔ وقت کی خاصیت یہ ہے کہ چلا جاتا ہے تو لوٹ کر نہیں آتا۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم وقت کا ہر لمحہ قیمتی جانیں۔ ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے: "إذا أمسيت فلا تنتظر الصباح وإذا أصبحت فلا تنتظر المساء وخذ من صحتك لمرضك ومن حياتك لموتك" (بخاری موقوفا، الرقاق، باب قول النبی ﷺ كن فی الدنيا كأنك غريب، حدیث نمبر: ۶۴۱۶) "جب تم شام کرو تو صبح کا انتظار مت کرو اور جب صبح کرو تو شام کا انتظار مت کرو، اور اپنی صحت سے بیماری کا اور زندگی سے موت کا حصہ لے لو"۔

یعنی فراغت اور فرصت کے مظاہر میں سے یہ بھی ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ بہت سے لوگ سڑکوں پر گھنٹوں بے مقصد گھومتے رہتے ہیں اور اپنا وقت ضائع کرتے رہتے ہیں، کچھ لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ گھنٹوں بیٹھ کر ایسی چیز کے پیچھے پڑے رہیں گے جن کا نہ تو دین میں کوئی نتیجہ برآمد ہوگا نہ دنیا میں، بس وقت کی بربادی ہوگی، جو آدمی کسی بھی ایسی چیز میں مشغول ہو جس سے اللہ راضی نہیں تو درحقیقت وہ اپنا وقت برباد کر رہا ہے۔

وقت ضائع ہوجانے پر افسوس کرنا:

عقلمند انسان اگر ہوش کے ناخن لے اور اپنی عمر کے گزرے ہوئے اوقات کو یاد کرے تو وہ ان لمحات کے بارے میں سوچ کر شرمندہ ہوگا جو اس نے لہو ولعب میں گذارے اور شرمندگی کی سب سے سخت گھڑی تب ہوگی جب انسان اپنے نامۂ اعمال کا سامنا کرے گا اور اس میں اپنے لیے رسوائی اور شرمندگی کا سامان دیکھے گا، اللہ نے فرمایا: ﴿يومئذ يتذكر الانسان وأنى له الذكرى، يقول ياليتني قدمت لحياتي﴾ (سورۃ الفجر:۲۳، ۲۴) ''اس دن انسان یاد کرے گا اور اب یاد کر کے کیا ہوگا؟ کہے گا کاش میں نے اپنی زندگی میں (آخرت کے لیے کچھ) آگے بڑھایا ہوتا''۔ مزید فرمایا: ﴿أن تقول نفس يا حسرتىٰ على ما فرطت في جنب الله وإن كنت لمن الساخرين﴾ (سورۃ الزمر: ۵۶) ''(ایسا ہو کہ) کوئی شخص کہے ہائے افسوس! میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی اور بلاشبہ اس مذاق اڑانے والوں میں شامل تھا''۔ تو عقلمند انسان وہ ہے جو آج شرمندہ ہو جب کہ اس کی شرمندگی سے اس کو فائدہ ہو، وہ اپنی زندگی کے لمحات کا سامنا کرے اور ان لمحات کو صحیح طریقے سے گزارے اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جب شرمندگی سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

وقت ضائع کرنے کے اسباب:

۱- مقصد واضح نہ ہونا۔

مقصد کا واضح نہ ہونا یا مقصد کا نہ ہونا، یا اس کے بارے میں غور وفکر نہ کرنا، یا اس کے بارے میں مشغول نہ ہونا، اس کے لیے کوشش نہ کرنا یہ سب وقت کی بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے۔

جو آدمی کوئی مقصد طے کرتا ہے، اس کے لیے کوشش کرتا ہے، مقصد چاہے جو بھی ہو، وہ آدمی ہرگز اپنا وقت ضائع نہیں کرے گا، وہ طالب علم جو امتیازی نمبرات حاصل کرنا چاہتا ہو وہ زیادہ کھیل کود میں نہیں لگے گا، جو آدمی شادی کرنا چاہتا ہو وہ اس کے اسباب مہیا کرنے کی پوری کوشش کرے گا، جو آدمی تاجر بننا چاہتا ہو وہ اس کے حصول کے لیے ضرور دوڑ دھوپ کرے گا، اسی طرح جس کا مقصد جنت اور اس کی نعمتوں تک پہنچنا ہو اس کے لیے بھی یہی مناسب ہے کہ وہ اس کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ کوشش کرے، اللہ نے فرمایا: "سابقوا إلى مغفرة من ربكم وجنة عرضها كعرض السماء والأرض" (سورۃ الحدید:۲۱) ''تم اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمان وزمین کی چوڑائی کی طرح ہے''۔

حدیث میں ہے: "من خاف أدلج ومن أدلج بلغ المنزل، ألا إن سلعة الله غالية، ألا إن سلعة الله الجنة" (ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ۱۸، حدیث نمبر: ۲۴۵۰، امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن غریب کہا، حاکم: ۳۰۸، ۳۰۷/۴ اور امام حاکم نے کہا: اس کی سند صحیح ہے، لیکن بخاری ومسلم نے اس کو روایت نہیں کیا ہے) ''جس کو (راستے میں رہزنوں کا) ڈر ہوتا ہے وہ تیزی سے اور پھرتی سے چلتا ہے اور جو تیزی اور پھرتی سے چلتا ہے وہی منزل کو پہنچتا ہے، سنو! اللہ کا سامان بہت قیمتی ہے، سنو! اللہ کا سامان جنت ہے''۔

مومن ہر اس اچھے مقصد کے حصول کے لیے کوشش کرتا ہے جس میں اس کے دن کی، دنیا کی، یا امت کی بھلائی موجود ہو اور اس مقصد کے حصول کا راستہ یہ ہے کہ وہ اپنی نیت خالص رکھے اور شرعی طریقے پر چلے۔

۱- غیر سنجیدہ دوستوں کی صحبت جو صرف یونہی اپنا وقت برباد کرتے ہیں اور اپنی جوانی اور عمر کا کوئی صحیح فائدہ نہیں اٹھاتے۔

۲- خالی بیٹھے رہنا اور جن چیزوں میں وقت گذارنا چاہیے ان سے ناواقف رہنا۔

۳- لہو ولعب اور دھوکے میں ڈالنے والی چیزوں کی کثرت، جب مومن اس طرح کی چیزوں میں مشغول ہوگا تو اس کا وقت بھی ضائع ہوگا اور عمر بھی نقصان سے دوچار ہوگی۔

۴- گھر والوں اور دوستوں میں ایسے مددگاروں کا فقدان جو وقت کا صحیح استعمال کرنے میں آدمی کی مدد کرسکیں۔

وقت کا صحیح استعمال:

وقت پر توجہ دینی چاہیے اور اسے استعمال کرتے رہنا چاہیے تاکہ خالی اوقات نہ پائے جائیں، اس لیے کہ خالی وقت بگاڑ کی دعوت دیتا ہے، جب آپ اپنے نفس کو اطاعت کے کام میں مشغول نہیں رکھیں گے تو وہ آپ کو معصیت میں مشغول کردے گا۔

جوانی، خالی وقت اور ہنسی مذاق انسان کے لیے حد درجہ فساد اور بگاڑ کے موجب ہیں، جب مقصد واضح ہوگا اور وقت کی اہمیت کا احساس ہوگا تبھی وقت کا صحیح استعمال ہوگا، آپ کو چاہیے کہ وقت کو مرتب اور منظم کریں اور اس کا صحیح استعمال کریں۔ اپنا روزکا، ہفتے کا اور چھٹیوں کے دوران کا ایک شیڈیول بنائیں تاکہ وقت کا کما حقہ استعمال ہوسکے۔ وقت کے صحیح استعمال کی بہت ساری صورتیں ہیں، ان سب کو ذکر نہیں کیا جاسکتا، جیسے جماعت کے ساتھ نمازوں کی پابندی، مسجد اور ذکر الٰہی کے لیے جلدی کرنا، تلاوت قرآن، والدین کی خدمت، صلہ رحمی، نفع بخش ملاقاتیں، مریضوں کی عیادت، تعلیم وتعلم، بھلائی کی دعوت، اللہ کی تخلیق پر غور وخوض، اپنے نفس، وطن اور قوم کے مصالح کے بارے میں غور وفکر کرنا، نفع بخش اور نتیجہ خیز عمل، مقالات لکھنا، علمی حلقوں اور قرآن کے دروس میں شامل ہونا، فائدہ بخش اور مفید چیزیں سننا، ضرورت مندوں کی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ۔

بلکہ وقت کے صحیح استعمال کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ آپ کسی مباح چیز میں مشغول ہوں، مثلاً آپ اپنے نفس کو آرام دینے کے لیے سوئیں یا آرام کریں تاکہ آپ کے اندر چستی پھرتی اور اطاعت کے کاموں کے لیے طاقت پیدا ہو، حضرت معاذؓ فرماتے ہیں: "أما أنا فأنام وأقوم فأحتسب نومتي كما أحتسب قومتي" (بخاری: کتاب المغازی، باب بعث أبي موسى ومعاذ الى اليمن: ۸/۶۰، حدیث نمبر: ۴۳۴۴، ۴۳۴۵، ۴۳۴۲، ۴۳۴۱، مسلم: کتاب الامارۃ، باب النھی عن طلب الامارۃ والحرص علیھا: ۳/۱۴۵۶، حدیث نمبر: ۱۷۳۳) ''جہاں تک میری بات ہے تو میں سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں اور میں اپنی نیند سے بھی ثواب کی امید رکھتا ہوں، جیسے قیام سے ثواب کی امید رکھتا ہوں''۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آرام کے ذریعہ بھی ثواب طلب کرتے تھے جیسے تھکن کے ذریعہ ثواب طلب کرتے تھے، اس لیے کہ جب آرام کا مقصد یہ ہو کہ اس سے عبادت کرنے میں مدد ملے تو اس آرام پر بھی ثواب ملے گا۔ (فتح الباری: ۸/۶۲)

اس حدیث میں حضرت معاذ کے قیام سے مراد قیام اللیل اور رات کی نماز ہے۔

وقت سے استفادہ کی چند مثالیں:

۱- عبدالرحمٰن بن حاتم الرازی اپنے والد ''ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی'' کا حال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: کبھی کبھی آپ کھار ہے ہوتے اور میں آپ کو پڑھ کر سنا رہا ہوتا، آپ چل رہے ہیں اور میں پڑھ کر سنا رہا ہوں، آپ اجابت کے لیے جا رہے ہیں اور میں پڑھ کر سنا رہا ہوں، آپ کسی چیز کی طلب میں گھر میں داخل ہو رہے ہیں اور میں پڑھ کر سنا رہا ہوں۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۵۱)

۲- عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں: ہم سات مہینے مصر میں رہے، اس دوران ایک بار بھی ہم لوگوں نے سالن نہیں کھایا، دن میں مشائخ کی مجلسیں منعقد ہوتیں اور رات میں لکھنے کا اور تحریروں کو ایک دوسرے سے ملانے کا کام ہوتا، ایک دن میں اور میرا ایک ساتھی ایک شیخ کے پاس گئے، لوگوں نے بتایا کہ وہ بیمار ہیں، راستے میں ہم نے ایک جگہ ایک مچھلی دیکھی جو ہمیں پسند آ گئی اور ہم نے اسے خرید لیا، جب ہم گھر پہنچے تو مجلس کا وقت ہو گیا، ہم بروقت اس مچھلی کو پکا نہیں سکے اور مجلس میں چلے گئے، تین دن تک ہم لوگ مجلس میں ہی مشغول رہے اور وہ مچھلی ویسے ہی پڑی رہی، اس کے اندر تبدیلی آ گئی اور ہم لوگوں نے ویسے ہی باسی مچھلی کھائی، ہمیں اتنی فرصت بھی نہیں ملی کہ ہم کسی کو وہ مچھلی بھوننے کے لیے دے دیتے۔ پھر اس کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کہتے ہیں: جسم کو آرام دے کر علم حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱۳/۲۶۶)

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ سب کو علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆

تعمیر کردار

تقویٰ کی اہمیت وفضیلت

ابوالبیان رفعت سلفی رکرناٹک

اسلام اپنے ماننے والوں کو جن امتیازی اوصاف حمیدہ سے متصف ہونے کی تعلیم دیتا ہے۔انھیں اوصاف حمیدہ میں سے ایک اہم وصف تقویٰ وپرہیزگاری بھی ہے، جو مسلمان جتنا زیادہ متقی ہوگا اتنا ہی زیادہ اللہ کے نزدیک محبوب ومعزز ہوگا، ارشاد ربانی ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (سورۃ الحجرات:۱۳) اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

(۱) تقویٰ کی لغوی واصطلاحی تعریف:

تقویٰ کی لغوی تعریف: تقویٰ لغت میں اتقاء کا مصدر ہے جو کہ (وق ی) سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کو دوسری چیز سے حفاظت کا ذریعہ بنانا۔(نضرۃ النعیم ج ٤ ص:۱۰۷۹)

تقویٰ کی اصطلاحی تعریف: علامہ راغبؒ فرماتے ہیں: **التقویٰ فی تعارف الشرع حفظ النفس عما یوثم وذلک بترک المحظور، ویتم ذلک بترک بعض المباحات.** (شریعت کی اصطلاح میں تقویٰ نفس کو گنہ گار بنانے والے تمام امور سے بچانے کو کہتے ہیں، اور یہ اس وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ تمام محرمات کو چھوڑنے کے ساتھ بعض مباح چیزوں کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: جملہ آداب شرعیہ کو بجالانے اور اللہ سے دور کردینے والے ہر عمل سے اجتناب کرنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔(نضرۃ النعیم ج۴ص:۱۰۸۰)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''بندہ اس وقت تک تقویٰ کی اصل حقیقت کو نہیں پہونچ سکتا جب تک جو بات دل میں کھٹکتی ہے اسے بالکل چھوڑ نہ دے۔(صحیح بخاری اردو ج۱ص:۱۷۵)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں'' **التقویٰ ھی اجتناب کل ما تخاف ضرراً فی دینک**'' تقویٰ ہر اس چیز سے بچنے کا نام ہے جس سے دین کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہے۔(منہاج العابدین للغزالی ج۱ص:۱۳۰)

(۲) تقویٰ کے قرآنی معانی:

قرآن مجید میں تقویٰ پانچ معانی میں استعمال ہوا ہے جو حسب ذیل ہیں:

۱-خوف اور خشیت: جیسا کہ اللہ کا فرمان عالیشان ہے:﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ

عَظِيْمٌ ﴾ (سورۃ الحج:۱) ''لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو! بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی بڑی چیز ہے۔

ڈاکٹر محمد لقمان السلفی حفظہ اللہ مذکورۃ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عام انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارو، عمل صالح کرو اور برائیوں سے بچو، اس لئے کہ قیامت کا زلزلہ حادثۂ عظیم ہوگا، اور وہ اتنا دہشت ناک ہوگا کہ مارے خوف کے مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلانا بھول جائیں گی، حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے ہر آدمی اپنا ہوش کھو بیٹھے گا، اور ایسا معلوم ہوگا کہ جیسے سب نے کوئی مدہوش کن چیز پی لی ہے، حالانکہ ایسی بات نہیں ہوگی بلکہ شدت عذاب الٰہی کے تصور سے ان پر یہ کیفیت طاری ہوگی۔ (تیسیر الرحمٰن لبیان القرآن ص:۹۴۵)

۲- عبادت: جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿يُنَزِّلُ الْمَلآئِكَةَ بِالْرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَن يَشَاء ُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنذِرُواْ أَنَّهُ لاَ إِلَـهَ إِلاَّ أَنَاْ فَاتَّقُونِ﴾ (سورۃ النحل:۲) ''وہی فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ (لوگوں کو) بتا دو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھ ہی سے ڈرو''۔

۳- گناہ چھوڑ دینا: جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُواْ الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُواْ الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۸۹) ''اور یہ کوئی نیکی کی بات نہیں کہ اپنے گھروں میں (دروازہ چھوڑ کر) پچھواڑے سے داخل ہو (جیسا کہ عرب کی رسم تھی کہ حج کے مہینے کا چاند دیکھ لینے اور احرام باندھ لینے کے بعد اگر گھروں میں داخل ہونا چاہتے تو دروازے سے داخل نہ ہوتے' پچھواڑے سے راہ نکال کر جاتے) نیکی تو اس کے لئے ہے جس نے اپنے اندر تقویٰ پیدا کیا، پس (ان وہم پرستیوں میں مبتلا نہ ہو) گھروں میں آؤ تو دروازے ہی کی راہ آؤ (پچھواڑے سے راہ نکالنے کی مصیبت میں کیوں پڑو؟) البتہ اللہ کی نافرمانی سے بچو تا کہ (طلب سعادت میں) کامیاب ہو''۔ (ترجمہ مولانا ابوالکلام آزاد)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''مقدس زیارت گاہوں اور تیرتھوں پر جانے کے لئے لوگوں نے طرح طرح کی پابندیاں لگالی ہیں اور اجر وثواب کے لئے اپنے آپ کو تکلیفوں مصیبتوں میں ڈالتے ہیں، لیکن یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں۔ (تفسیر ترجمان ابوالقرآن ص:۳۱۱، ابوالکلام آزادؒ)

۴- توحید: جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ (سورۃ الحجرات:۳) ''جو لوگ پیغمبر الٰہی کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں اللہ نے ان کے دل تقویٰ کے لئے آزما لئے ہیں ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے''۔

﴿أولئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقویٰ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان (صحابہؓ) کے دلوں کو گناہوں سے صاف کر کے توحید کے لئے خالص کر دیا ہے۔ (مراح لبید لکشف معانی القرآن المجید ج۲ ص۴۳۶)

۵- اخلاص: اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (سورۃ الحج:۳۲) ''اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات دلوں کے تقویٰ سے تعلق رکھتی ہے''۔ (ترجمہ عبدالرحمٰن کیلانیؒ)

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''یعنی جس شخص کے دل میں اللہ کا تقویٰ اور اللہ کی محبت جاگزیں ہو وہ ان چیزوں کا ضرور ادب کرے گا جو اس کے نام سے منسوب ہیں، یا جنہیں شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ ان چیزوں کی توہین یا بے حرمتی، بے ادبی وہی شخص کرسکتا ہے جس کے دل میں نہ اللہ کا خوف ہو اور نہ اس کی محبت ہو۔ واضح رہے کہ اللہ کے نام منسوب کردہ اشیاء کی تعظیم یا ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید ہے۔ شرک یہ ہے کہ اللہ کے سوا دوسروں کے نام منسوب کردہ چیزوں کا ایسے ہی ادب واحترام کیا جائے جیسا کہ اللہ کی طرف منسوب اشیاء کا کیا جاتا ہے۔ (تیسیر القرآن ج ۳ ص ۱۶۰۔ عبدالرحمٰن کیلانیؒ)

(۳) تقویٰ کا مفہوم:

مولانا ابوالکلام آزادؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''زندگی کے تمام کاموں میں ہم دیکھتے ہیں کہ دو طرح کے انسان پائے جاتے ہیں۔ بعض طبیعتیں محتاط ہوتی ہیں بعض بے پرواہوتی ہیں۔ جن کی طبیعت محتاط ہوتی ہے وہ ہر بات میں سمجھ بوجھ کر قدم اٹھاتے ہیں۔ اچھے بُرے، نفع ونقصان، نشیب وفراز کا خیال رکھتے ہیں۔ جس بات میں بُرائی پاتے ہیں چھوڑ دیتے ہیں۔ جس میں اچھائی دیکھتے ہیں اختیار کرلیتے ہیں۔ برخلاف اس کے جو لوگ بے پرواہوتے ہیں ان کی طبیعتیں بے لگام اور چھوٹ ہوتی ہیں، جو راہ دکھائی دے گی چل پڑیں گے، جس کام کا خیال آجائے گا، کر بیٹھیں گے، جو غذا سامنے آجائے گی، کھالیں گے، جس بات پر اڑنا چاہیں گے، اڑ بیٹھیں گے، اچھائی وبُرائی، نفع ونقصان، دلیل اور توجیہ، کسی بات کی بھی انہیں پروانہیں ہوتی۔

جس حالت کو ہم نے یہاں ''احتیاط'' سے تعبیر کیا ہے، اسی کو قرآن تقویٰ سے تعبیر کرتا ہے۔ ''متقی'' یعنی ایسا آدمی جو اپنے فکر وعمل میں بے پروانہیں ہوتا۔ ہر بات کو درستی کے ساتھ سمجھنے اور کرنے کی کھٹک رکھتا ہے۔ برائی اور نقصان سے بچنا چاہتا ہے، اور اچھائی اور فائدہ کی جستجو رکھتا ہے۔ قرآن کہتا ہے ایسے ہی لوگ تعلیمِ حق سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور کامیاب ہوسکتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ''اَما سَلکتَ طریقاً ذا شَوک'' ''کیا تم کبھی ایسے راستے میں نہیں چلے جس میں کانٹے ہوں؟'' فرمایا ہاں' کہا ''فَمَا عَمِلْتَ؟'' ''اس حالت میں تم نے کیا کیا؟'' فرمایا ''شَمَّرتُ وَ اجْتَهَدْتُ'' ''میں نے کوشش کی کہ کانٹوں سے بچ کر نکل جاؤں''۔ کہا ''فَذٰلِکَ التَّقْویٰ'' ''یہی تقویٰ کی حقیقت ہے''۔ (تفسیر ترجمان القرآن ج ۱ ص ۳۴۸۔ ابوالکلام آزادؒ)

(۴) تقویٰ کے درجات:

علامہ بیضاویؒ نے تقویٰ کے تین درجات بیان کئے ہیں:

(۱) ادنی درجے کا تقویٰ یہ ہے کہ انسان شرک سے براءت کا اعلان کر کے ہمیشگی کے عذاب جہنم سے بچ جائے۔ جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے ﴿وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى﴾.

(۲) تقویٰ کا اوسط درجہ یہ ہے کہ صغیرہ وکبیرہ ہر طرح کے گناہوں سے اجتناب کیا جائے، اللہ کے فرمان ﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُواْ وَاتَّقَوا﴾ کا یہی معنی ہے۔

(۳)اعلی درجے کا تقوی یہ ہے کہ انسان مکمل طور پر صفات حمیدہ کا مظہر بن جائے (نیکیوں کی طرف اس کی روح خود بخود مائل رہے،اور برائیوں سے اس کی طبیعت کا میلان بالکل ختم ہوجائے)اصل تقوی جو اللہ کو مطلوب ہے یہی ہے۔جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے ﴿اتَّقُواْ اللّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ﴾. (فی السلوک الاسلامی القویم ص۱۲،ترقیم الشاملۃ)

تقویٰ کی حد:تقویٰ کی حد یہ ہے کہ انسان مشکوک چیزوں سے پرہیز کرے۔ایسا نہ ہو کہ تقویٰ کے زعم میں حلال اور طیب چیزوں کو بھی اپنے اوپر حرام کرلے۔اسی چیز کو قرآن میں رہبانیت کا نام دیا گیا ہے۔جبکہ رہبانیت کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔(بہترین زادراہ تقویٰ ص:۵،۶۔پروفیسر نجیب الرحمٰن کیلانی)

(۵)سب سے بڑا متقی کون؟:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کائنات میں سب سے بڑے متقی سید الانبیاء والمرسلین ،خاتم النبیین،محبوب رب العالمین،محمد رسول اللہ ﷺ ہیں،جیسا کہ فرمان نبوی ہے''**اما واللّٰہ انّی لأخشاکم للہ وأتقاکم لہ،ولکنّی أصوم وأفطر وأصلّی وأرقد وأتزوّج النساء ،فمن رغب عن سنتی فلیس منّی**''. ''خبردار!اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا سب سے زیادہ تقویٰ اپنے دل میں رکھنے والا ہوں،لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں(رات)کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں(یہ تمام کے تمام کام ہی میری سنت ہیں)پس جس شخص نے بھی میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ میں سے نہیں(متفق علیہ)

ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان حدیث مذکور کی شرح میں فرماتے ہیں''جملہ عبادات کا محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق ہونا اور ہر طرح کی بدعات وخرافات سے پاک ہونا ضروری ہے''۔(اعانۃ المستفید شرح کتاب التوحید ج۱ص:۴۶)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں''**أماواللہ انّی لأخشاکم للہ وأتقاکم لہ**'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو تین اشخاص ازواج مطہرات سے نبی ﷺ کی عبادتوں کا حال اس خیال سے پوچھنے آئے تھے''کہ چونکہ نبی ﷺ بخشے بخشائے ہیں اس لئے امتیوں کی بہ نسبت آپ ﷺ کو زیادہ عبادت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں''نبی ﷺ نے ان کے اس خیالِ فاسد کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ میں عبادتوں میں میانہ روی اختیار کرنے کے باوجود عبادتوں میں بہت زیادہ سختی کرنے والوں سے بھی زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں۔کیونکہ عبادتوں میں بے جا سختی کرنے والے اکتاہٹ کا شکار ہوجاتے ہیں،برخلاف عبادتوں میں میانہ روی اختیار کرنے والے کے،کہ اس کی عبادتوں میں استقرار اور دوام ہوتا ہے۔اور سب سے بہتر عمل صالح وہی ہے جس کا انجام دینے والا اس پر مداومت کرلے جائے۔(فتح الباری ج۹ص۱۰۵)

علامہ خالد بن عبداللہ المصلح فرماتے ہیں کہ''بہت سے اہل بدعت اور صوفیاء کا یہ کہنا کہ ان میں سے کچھ لوگ تقویٰ اور ایمان میں خیر الانام محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی اونچا مقام حاصل کرلیتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ سراسر کفر ہے۔اور اس رسول کی تکذیب ہے جس نے خیر القرون کو مخاطب کرکے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا تھا کہ''میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے

ڈرنے والا اور اس کا سب سے زیادہ تقویٰ اپنے دل میں رکھنے والا ہوں''۔

پس معلوم ہوگیا کہ اللہ کا خوف، اللہ کی خشیت، اللہ کی یاد، اللہ کی عبادت اور اس کا تقرب حاصل کرنے میں کوئی بھی شخص محمد رسول اللہ ﷺ کے مقام ومرتبہ کو نہیں پہونچ سکتا۔ نہ اگلے لوگوں میں سے نہ پچھلے لوگوں میں سے۔ (شرح الفتوی الحمویہ ج ۲۲ ص:۳)

(۶) تقویٰ کی اہمیت:

تقویٰ کی اہمیت کے لئے صرف اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں اہل ایمان کو بکثرت تقویٰ کا تاکیدی حکم فرمایا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ بکثرت اپنی دعاؤں میں اپنے رب سے تقویٰ کا سوال کرتے تھے، اور اپنی امت کو بھی اس کی تلقین فرماتے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: نبی ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے''**اللھم انّی أسألک الھدیٰ والتّقی والعفاف والغنیٰ**'' (صحیح مسلم) اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت کا، تقوی (پرہیزگاری) کا پاکدامنی کا اور (لوگوں سے) بے نیازی کا سوال کرتا ہوں۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:''**اللھم اعط نفسی تقواھا وزکّھا أنت خیر من زکّاھا أنت ولیّھا ومولٰھا**'' (صحیح مسلم:۷۰۸۱) اے اللہ! تو میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا کر اور اس کو پاک کردے تو سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے، تو ہی اس کا کارساز اور اس کا مولیٰ ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رویت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں سفر میں نکلنا چاہتا ہوں لہذا مجھے کچھ وصیت فرمادیجئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' **علیک بتقوی اللہ ، والتکبیر علیٰ کل شرف**'' تم تقویٰ کو لازم پکڑو اور ہر بلندی پر (چڑھتے ہوئے) اللہ اکبر کہا کرو۔ جب وہ آدمی واپس چلا گیا تو آپ ﷺ نے اس شخص کے لئے یوں دعا فرمائی: اے اللہ! اس شخص کے سفر کی دوری کو سمیٹ دے اور اس کے لئے اس کے سفر کو آسان بنادے۔ (صحیح سنن ترمذی: ۲۷۴۰)

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہ خبر پہنچی کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کو یہودی کی بیٹی کہا ہے، تو صفیہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں اتنے میں رسول اللہ ﷺ (بھی) تشریف لے آئے اس حال میں کہ صفیہ رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیوں روتی ہو صفیہ؟ عرض کیا کہ حفصہ رضی اللہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہہ دیا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو نبی کی بیٹی ہے، اور تیرا چچا بھی نبی ہے، اور تو نبی کی زوجیت میں بھی ہے، تو پھر حفصہ تجھ پر کیا فخر کرتی ہے، پھر فرمایا اے حفصہ! اللہ سے ڈرو۔ (ترمذی: ۳۸۹۴)

حدیث مذکور میں رسول اکرم ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو محض اس بنا پر تقویٰ کا حکم فرمایا ہے کہ انہوں نے صفیہ ؓ کو یہودی کی بیٹی کہہ دیا تھا۔ (جاری)

☆☆☆

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ میں ایک روزہ علمی پروگرام

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلم) بنارس میں یکم دسمبر ۲۰۱۴ء بروز دوشنبہ یک روزعلمی واصلاحی پروگرام کا انعقاد عمل میں آیا۔اس کی پہلی نشست بعد نماز مغرب ہوئی جس کی صدارت مولانا نعیم الدین صاحب مدنی شیخ الجامعہ حفظہ اللہ نے کی۔اس نشست کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔بعدہ جامعہ کے ایک موقر استاذ مولانا عزیز الرحمٰن صاحب سلفی حفظہ اللہ نے علم کی اہمیت پر خطاب کرتے وئے واضح کیا کہ علم وہی اصل ہے جس میں اللہ تعالی کی معرفت ہو، وہ علم نہیں جو آپ کو راہ راست سے غافل کردے۔مولانا موصوف نے قرآن کی متعدد آیات اور واقعات پیش کرنے کے بعد احادیث رسول ﷺ کے حوالہ سے بڑا پرمغز اور مدلل خطاب کیا۔اس کے بعد پونہ سے آئے ہوئے موقر مہمان گرامی شیخ ابوزید ضمیر نے حصول تعلیم کے آداب پر مفصل روشنی ڈالی، انہوں نے کہا کہ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اندر تعلیم کے سلسلے میں اخلاص ہو۔آج طلبہ فراغت کے بعد اس میدان کو ترک کرکے عصری یونیورسٹیوں کا رخ کرتے ہیں اور اس میں ایسے کھوجاتے ہیں جیسے ریت میں پانی۔

اس پروگرام کی دوسری نشست کی صدارت شہر بنارس کی مشہور علمی شخصیت، جامعہ کے سابق شیخ الجامعہ مولانا احسن جمیل صاحب مدنی (ناظم امہات المؤمنین انٹرالج) کے دامن قدر میں آئی۔دونوں پروگرام کی نظامت کے فرائض فضیلت ثانی کے طالب علم طارق اسعد اسعد اعظمی نے بحسن وخوبی انجام دیا۔تلاوت کلام پاک کے بعد سب سے پہلے مقرر مولانا محمد اسلم مبارک پوری تھے، انہوں نے ''سچائی'' کے موضوع پر قرآن وحدیث اور صحیح اسلامی واقعات کی روشنی میں خطاب کیا۔اور بیان کیا کہ سماج ومعاشر میں برائیوں کے درآنے کی ایک اہم وجہ اس عظیم خصلت کا مفقود ہونا ہے۔سچ ہے "الصدق منجاة" سچائی میں ہر شر وفساد سے نجات ہے۔

دوسرے مقرر مہمان خصوصی تھے جنہوں نے اس نشست میں ''حق سے روگردانی اور اس سے اعراض کے اسباب وعلل'' پر گفتگو کررہے تھے۔موصوف نے کتاب وسنت کی روشنی میں مدلل خطاب کیا۔اثنائے خطاب میں آپ نے کہا کہ حق کے انکار کی کئی وجوہات ہیں۔ان میں سے ایک اہم وجہ تکبر اور معاندانہ رویہ کے ساتھ یہ بھی ہے کہ حق کی رہنمائی کرنے والے کو آدمی اپنے سے کم عمر دیکھتا ہے تو جھٹ سے انکار کر بیٹھتا ہے، جبکہ یہ چیز کتاب وسنت کی روشنی میں غلط معلوم ہوتی ہے، اس کی سب سے واضح دلیل غزوہ خندق کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کرنے اور اسے نافذ العمل کرنے کی قبولیت ہے۔

یہ دوسری نشست بعد نماز عشاء شروع ہوکر دیر رات گیارہ بجے تک چلی، دونوں پروگراموں میں قاعۃ المحاضرات (جامعہ کا لیکچر ہال) کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔اور بصد خموش اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کررہا تھا۔جامعہ کے اساتذہ محترم، طلبہ عزیز کے علاوہ شہر سے آئے ہوئے معزز حضرات کی تعداد بھی کافی اچھی تھی، سبھی لوگ نہایت خاموشی اور دل جمعی کے ساتھ محو سماعت تھے، اشتیاق کا عالم یہ تھا کہ اختتام کے بعد سامعین حضرات میں تشنگی باقی رہی اور زبان حال نے یہ شکوہ کیا کہ کچھ اور دیر چلتا تو بہتر تھا۔ والله من وراء القصد. اس پروگرام کے حوالہ سے کافی گہما گہمی اور جوش وخروش تھا۔ایسے کم وبیش ہر اس پروگرام کا حال ہوتا ہے جو جامعہ میں ہوا کرتا ہے۔

حسن انتظام بھی عمدہ اور قابل ستائش تھا۔

جامعہ کے موقر ناظم اعلی-حفظہ اللہ وتولاہ- جو اس پروگرام کے روح رواں تھے۔انعقاد کے موقع پر اپنی بیماری کی وجہ سے حاضر نہ ہوسکے۔حالانکہ آپ کا یہ امتیاز رہا ہے کہ ایسے پروگراموں میں پیش پیش ہی نہیں، بلکہ زعیم کارواں اور مسند صدارت پر رونق افروز ہوا کرتے ہیں۔اللہ تعالی انہیں روبہ صحت رکھے۔

دعائے بابرکات کے بعد پروگرام کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

اللہ تعالی ہم سب لوگوں کو صحیح اسلام پر قائم رکھے اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت اور توفیق دے۔یہی صدق وصفا اور سچائی کا تقاضہ ہے، آمین۔

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی

مفتی اعظم سعودی عرب نے سانحۂ پشاور کو عظیم جرم قرار دیا:

مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز حفظہ اللہ نے پشاور میں قائم آرمی پبلک اسکول میں بچوں کے قتل عام کو بدترین جرم قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ وہ اسلام دشمن ہیں جو مسلم ملک کو اپنے افکار کی تجربہ گاہ بنائے ہوئے ہیں، اور امت مسلمہ کو فریب میں مبتلا کررہے ہیں۔ پشاور اسکول پر حملہ ایک انتہائی خطرناک عمل اور عظیم جرم ہے۔ بے قصوروں کا قتل اسلام نیز دیگر مذاہب میں ممنوع ہے، ناحق خون بڑا ظلم اور جاہلانہ عمل ہے۔

علاوہ ازیں امام مسجد نبوی شیخ حذیفی حفظہ اللہ نے بھی خطبۂ جمعہ میں مسجد نبوی کے منبر سے کہا کہ ہم پشاور کے سانحہ کی بھرپور مذمت کرتے ہیں، اس قسم کے لوگوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ ابلیس کا فعل ہے، علمائے امت اسلامیہ سے اپیل کی ہے کہ ایسے لوگوں کو ان کے انجام سے ڈرائیں۔ (اردو پوائنٹ، مکہ مکرمہ: ۱۴/۱۲/۱۸)

انٹرنیشنل سائنس کمیشن میں سعودی طلباء کو ایوارڈ:

انٹرنیشنل سائنس کمیشن فار دی عرب ولڈ کے تحت دس سعودی نژاد طلباء نے ایوارڈ حاصل کیا ہے، جو یقیناً ان کی صلاحیتوں کا حقیقی اعتراف ہے، اس موقع پر وزیر تعلیم پرنس خالد الفیصل نے وزارت تعلیم کی نمائندگی کرنے والے طلباء کی ستائش کی، جنہوں نے کنگ عبدالعزیز اور ان کی کمپنی فاؤنڈیشن فار گفٹیڈ سنس اینڈ کریٹیو کے ساتھ شراکت داری کرتے ہوئے یہ کارنامہ انجام دیا، انہوں نے اپنے خطاب کے دوران کہا کہ اس کارنامہ سے ملک کی وزارت تعلیم کے شعبہ میں خصوصی طور پر ملک کی جانب سے کئے جانے والے مؤثر اقدامات کی غمازی ہوتی ہے، جس کے ذریعہ ان طلباء کی تعلیمی قابلیتوں میں مزید بہتری لائی جارہی ہے۔ (قدرت نیوز، کراچی)

قرآن کریم کے قدیم ترین نسخے کا انکشاف:

جرمن کی یونیورسٹی آف ٹوبینگن کی مرکزی لائبریری میں قرآن مجید کے ایسے نادر نسخے پائے جانے کا حال ہی میں انکشاف ہوا ہے، جس کا تعلق پہلی صدی ہجری سے بتلایا جاتا ہے، قدیم نسخوں کے ماہرین انتہائی باریک بینی کے ساتھ جانچ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ اس نسخہ کی کتابت رسول اکرم کی وفات کے ۳۰ یا ۴۰ چالیس برس بعد کی گئی ہے، اس طرح مذکورہ نسخہ کو اس وقت ساری دنیا میں پائے جانے والے قرآن مجید کے تمام نسخوں میں سب سے قدیم نسخے کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

کوفی رسم الخط میں لکھا گیا ہے جو سب سے قدیم رسم الخط مانا جاتا ہے، جسے جرمنی کے مذکورہ لائبریری میں ۱۸۶۴ء میں لایا گیا تھا۔ (صراط مستقیم برمنگھم: ۱۴/۱۲)

☆☆☆

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا قرآن خوانی کا ثواب میت کو پہنچتا ہے؟

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

میت کے نام قرآن خوانی کی مشروعیت اور عدم مشروعیت کے سلسلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، اس بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ مردہ کے لئے قرآن خوانی غیر مشروع اور بدعت ہے، اس لئے کہ اس کا ثبوت نہ کتاب اللہ سے ہے نہ سنت صحیحہ سے اور نہ اجماع امت سے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ مجموع الفتاوی ۲۴/ ۳۱۵ میں لکھتے ہیں: وأما الصيام عنه وصلاة التطوع عنه وقراء ة القرآن عنه، فهذا فيه قولان للعلماء أحدهما: ينتفع به، وهو مذهب أحمد وأبى حنيفة وغيرهما وبعض أصحاب الشافعي وغيرهم، والثانى: لاتصل إليه، وهو المشهور في مذهب مالك والشافعي "یعنی میت کی طرف سے روزہ رکھنا، نفلی نماز پڑھنا اور قرآن کریم کی تلاوت کرنا اس مسئلہ میں علماء کرام کے دو قول ہیں، امام احمد، ابوحنیفہ اور بعض شوافع وغیرہم کا مسلک ہے کہ میت کو ان کا ثواب پہنچتا ہے اور دوسرا مذہب امام مالک اور امام شافعی وغیرھما کا ہے کہ ان سے میت کو فائدہ نہیں پہونچتا ہے۔

اور ملا علی قاری شرح فقہ اکبر (ص:۱۹۶-۱۹۷) میں لکھتے ہیں کہ:" اختلف العلماء في العبادات البدنية كالصوم والصلاة وقراء ة القرآن والذكر فذهب أبو حنيفة وأحمد وجمهور السلف إلى وصولها والمشهور من مذهب الشافعي ومالك عدم وصولها" یعنی عبادات بدنیہ جیسے روزہ، نماز اور قراءت قرآن اور ذکر کے ثواب پہنچنے میں علماء کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ، امام احمد اور جمہور سلف کا مذہب یہ ہے کہ عبادات بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور امام شافعی اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ نہیں پہنچتا ہے۔

ہم ان علماء کرام کے اقوال وآراء پیش کرتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ قرأت قرآن کا ثواب مردہ کو نہیں پہنچتا:

مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری رحمہ اللہ نے کتاب الجنائز، ص:۱۰۷-۱۰۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ تلاوت قرآن اور نماز، روزہ وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچنا کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں اور جو روایتیں عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچنے کے بارے میں نقل کی جاتی ہے وہ ضعیف ہیں۔ نیز فرمایا کہ اکثر احناف میں ثواب رسانی کی یہ صورت بہت جاری ہے کہ کسی حافظ کو نوکر رکھ کر یا کچھ اجرت دے کر میت کے واسطے قرآن پڑھاتے ہیں سو اس صورت سے میت کو ثواب نہیں پہنچتا ہے۔ فقہائے حنفیہ لکھتے ہیں کہ: اس صورت میں نہ میت کو ثواب پہنچتا ہے اور نہ قرآن پڑھنے والے اور پڑھانے والے کو ثواب ملتا ہے بلکہ یہ پڑھنے والے اور پڑھانے والے دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث علامہ عبید اللہ صاحب مبارکپوری رحمہ اللہ مرعاۃ ۵/ ۴۵۳ میں لکھتے ہیں کہ:"وإليه يميل قلبي فإنه لم يقم على اهداء ثواب القرأة دليل شرعي لا من قرآن ولامن سنة صريحة صحيحة ولامن اجماع ولايكفى في مثل هذه المسألة حديث ضعيف أو أثر صحابي فضلا عن القياس أو أثر التابعي ومن دونه، وقد صرح ابن القيم الذي هو قائل بوصول ثواب القراء ة إلى الميت فانه لم يصح عن السلف شئ في

ذلك" یعنی قرآن پڑھ کر میت کو ثواب پہنچانے کے بارے میں کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے اور نہ کسی صریح حدیث سے اور نہ اجماع سے اور اس جیسے مسئلہ میں ضعیف حدیث یا اثر صحابی یا قیاس کفایت نہیں کرسکتا، حافظ ابن القیم جومیت کو ثواب رسانی کے قائل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ: ''سلف سے اس سلسلہ میں کچھ بھی صحیح منقول نہیں ہے''۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: " لم يكن من عادة السلف إذا صلوا تطوعاً وصاموا وحجوا أو قرأوا القرآن يهدون ثواب ذلك لموتاهم المسلمين، ولا لخصوصهم، بل كان عادتهم كما تقدم فلا ينبغي للناس أن يعدلوا عن طريق السلف فانه أفضل وأكمل" (مجموع الفتاویٰ ۲۴/۳۲۳، مرعاۃ ۵/۴۵۳) یعنی سلف کی یہ عادت نہ تھی کہ وہ جب نفل نماز ادا کرتے اور روزہ رکھتے اور حج کرتے اور قرآن کی تلاوت کرتے تو وہ اس کے ثواب کو اپنے مردے مسلمان کیلئے ہدیہ بھی کرتے ہوں اس لئے لوگوں کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ سلف کی اس روش سے روگردانی کریں کیونکہ ان کا طریقہ ہی افضل اور کامل ترین ہے۔ مفسر ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس بارے میں سورہ نجم کی آیت: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ کی جو تفسیر کی ہے وہ بہت اہم ہے، ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں: أي كما لايحمل عليه وزر غيره كذلك لا يحصل من الأجر إلا ما كسب هو لنفسه ومن هذه الآية الكريمة استنبط الشافعي رحمه الله ومن تبعه أن القرأة لا يصل اهداء ثواب بها إلى الموتى لأنه ليس من عملهم ولاكسبهم ولهذا لم يندب إليه رسول الله أمته ولاحثهم عليه ولا أرشدهم إليه بنص ولا إيماء ولم ينقل ذلك عن أحد من الصحابة رضي الله عنهم ولوكان خيرا لسبقونا إليه وباب القربات يقتصر فيه على النصوص ولا يتصرف فيه بأنواع الأ قسية والأراء فأما الدعاء والصدقة فذلك مجمع على وصولهما ومنصوص من الشارع عليهما" (تفسير ابن كثير ٤ / ٣٢٨)

یعنی جس طرح کوئی کسی دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہ ہوگا اسی طرح اسے آخرت میں اجر بھی انہی چیزوں کا ملے گا جن میں اس کی اپنی محنت ہوگی۔

اس آیت کریمہ سے امام شافعی اور ان کے متبعین نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب مردوں کو پہنچایا جائے تو پہنچتا ہی نہیں اس لئے کہ یہ تو نہ ان کا عمل ہے نہ کسب ومحنت، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مردوں کے لئے قرآن خوانی کی ترغیب دی نہ کسی نص یا اشارۃ النص سے اس کی طرح رہنمائی فرمائی۔ اس طرح صحابہ کرام سے بھی یہ منقول نہیں۔ اگر یہ عمل خیر ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ضرور اختیار کرتے اور عبادات وقربات کے لئے نص کا ہونا ضروری ہے اس میں رائے وقیاس نہیں چل سکتا، البتہ دعاء صدقہ اور خیرات کا ثواب مردوں کو پہنچتا ہے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے کیونکہ یہ شارع کی طرف سے منصوص ہے۔

فتاوی لجنۃ دائمۃ ۹/۴۲ میں ایک سوال وجواب یوں درج ہے:

س: هل يصل ثواب قراءة القرآن وأنواع القربات إلى الميت من أولاده أو من غيرهم؟

ج: لم يثبت عن النبي ﷺ فيما نعلم أنه قرأ القرآن ووهب ثوابه للأموات من أقربائه أو من غيرهم، ولوكان ثوابه يصل إليهم لحرص عليه وبينه لأمته لينفعوا به موتاهم فانه عليه الصلاة والسلام بالمؤمنين رؤف رحيم، وقد سار الخلفاء الراشدون من بعده و سائرأصحابه على هديه في ذلك رضي الله عنهم ولا نعلم

أن أحدا منهم أهدى ثواب القرآن لغيره والخير كل الخير في اتباع هديه ﷺ وهدى خلفائه الراشدون وسائر الصحابة رضي الله عنهم والشر في اتباع البدع ومحدثات الأمور لتحذير النبي ﷺ من ذلك بقوله: "إياكم ومحدثات الأمور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة، وقوله: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". وعلى هذالا تجوز قراءة القرآن للميت ولا يصل إليه ثواب هذه القرأة في ذلك بل ذلك بدعة".

أما أنواع القربات الأخرى فما دل دليل صحيح على وصول ثوابه إلى الميت وجب قبوله كالصدقة عنه والدعاء له والحج عنه ومالم يثبت فيه دليل فهو غير مشروع حتى يقوم عليه الدليل، وعلى هذا لا يجوز قراءة القرآن للميت ولايصل إليه ثواب هذه القراءة في أصح قول العلماء بل ذلك بدعة".

س: یعنی کیا قرأت قرآن کریم اور دوسری انواع قربات کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، میت کی اولاد یا ان کے علاوہ دوسروں کی طرف سے۔

ج: ہمارے مبلغ علم کے مطابق نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہی نہیں کہ انہوں نے قرآن کریم کی تلاوت کر کے اس کا ثواب اپنے اعزاء واقرباء یا ان کے علاوہ دوسرے مردوں کو ہبہ کیا ہو اگر اس کا ثواب ان تک پہونچتا تو ضرور کرتے اور اپنی امت کو بتاتے تا کہ وہ بھی اس کے ذریعہ اپنے مردوں کو فائدہ پہنچاتے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ تمام مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں، آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین اور جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کی اس روش اور طریقہ پر گامزن رہے۔ ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کسی نے قرآن کریم کا ثواب دوسرے کو ہبہ کیا ہو اور ہر نوع کی خیر و بھلائی نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور تمام صحابہ کرام کے طریقے کی اتباع و پیروی میں ہے اور ہر طرح کی برائی بدعات وخرافات اور نئی چیزوں کی پیروی میں ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع کیا ہے فرمایا کہ تم نئی ایجادات سے بچو کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور آپ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا کہ ''جس نے ہماری اس شریعت میں ایسی چیز پیدا کی جو اس میں نہیں وہ قابل رد ہے ان نصوص کی بنیاد پر میت کے لئے قرآن خوانی جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کی قرأت کا ثبوت میت کو پہنچے گا بلکہ یہ تو بدعت ہے۔

اور جہاں تک دوسری قربات وعبادات کی بات ہے تو ان کے ثواب میت کو پہنچنے کے سلسلے میں اگر کوئی دلیل صحیح وارد ہو تو اس کو قبول کرنا ضروری ہے جیسے میت کی طرف سے صدقہ کرنا۔ اس کے لئے دعاء کرنا، اس کی طرف سے حج کرنا اور جس کے بارے میں کوئی دلیل صحیح وارد نہ ہو وہ غیر مشروع رہے گی یہاں تک کہ اس پر کوئی دلیل وحجت قائم ہو جائے، اسی وجہ سے مردہ کے لئے قرآن خوانی اور اس کیلئے ثواب رسانی علماء کرام سے صحیح ترین قول کے مطابق صحیح نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: مرعاة ٥/٤٥٣، تحفه٢/٢٦،كتاب الجنائز لعبد الرحمن مباركپوری ص١٠٣-١٠٤، كتاب الروح ص ١٩٦،١٩٧، اهداء الثواب إلى الميت، تفسير المنار ٨/٢٥٧-٢٥٨، كتاب الجنائز للألبانی ص ١٧٤، نيل الاوطار ٤/٧٩، المغنی لابن عبدالبر٢/٥٦٩، حكم القرأة للأموات هل يصل ثوابها إليهم، لمحمد أحمد عبد السلام)

دار الإفتاء
جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم)
بنارس